الھدیٰ (211)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ النساء (آیات 73 تا 75)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾﴾

''اور اگر اللہ تم پر فضل کرے تو اس طرح سے کہ گویا تم میں اس میں دوستی تھی ہی نہیں (افسوس کرتا اور) کہتا ہے کہ کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو مقصد عظیم حاصل کرتا۔ تو جو لوگ آخرت (کو خریدتے اور اس) کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچنا چاہتے ہیں اُن کو چاہیے کہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر شہید ہو جائے یا غلبہ پائے ہم عنقریب اس کو بڑا ثواب دیں گے۔ اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا' اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔''

یہاں منافق شخص کے کردار کی نقشہ کشی کی گئی ہے۔ منافق کا حال تو یہ ہے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فضل پہنچ جائے اور تم فتح و کامرانی واپس پلٹو اور بہت سا مال غنیمت لے کر آؤ تو اس وقت وہ حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ اے کاش میں بھی ان کے ساتھ گیا ہوتا تاکہ میں بھی بہت فائدے میں رہتا۔ فرمایا' جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی کے عوض فروخت کرنے کو تیار ہیں انہیں لازماً اللہ کی راہ میں قتال کرنا چاہیے' اور جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں لڑائی کرے گا تو اُسے دو صورتوں میں سے ایک صورت کا ضرور سامنا کرنا پڑے گا یا تو وہ قتل ہو جائے گا اور شہادت کا رتبہ پائے گا' یا فتح مند ہو کر واپس آ جائے گا۔ ہم ان دونوں حالتوں میں انہیں بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

اگلی آیت میں بھی جھنجھوڑنے کے سے انداز میں مسلمانوں کو قتال کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ فرمایا' تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قتال نہیں کرتے حالانکہ وہ مرد' عورتیں اور بچے جن کو دبا کر کمزور بنا دیا گیا ہے' پکار رہے ہیں اور دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب' ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنے خاص فضل سے ہمارے لیے کوئی مددگار بھیج دے۔ اس کا خاص پس منظر ہے۔ مکہ کے اردگرد کے علاقوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جو ایمان تو لے آئے تھے مگر ہجرت کر کے مدینہ میں آنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اُن میں عورتیں' بوڑھے اور بیمار لوگ تھے۔ وہ کافروں کے ہاں پھنسے ہوئے تھے' جہاں اُن پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ وہ انتہائی تکلیف دہ صورت حال سے دوچار تھے۔ ایسے لوگوں کی نصرت کرنا اور اُن کو ظلم و ستم سے آزاد کرا کے لے آنا غیرت ایمانی کا تقاضا تھا۔ لہٰذا اب مسلمانوں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ ایسے مصیبت زدہ بھائیوں کی نصرت و امداد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔

آج کل بعض افراد اور جماعتوں کی طرف سے جو سیاسی جہاد کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے رہے ہیں یہ آیت بکثرت Quote کی جاتی ہے' حالانکہ سیاسی جہاد کے معنی میں اِس کا حوالہ سیاق آیت کے مطابق نہیں ہے۔ اس مقام پر تو خطاب اُن لوگوں سے ہے جن کے ہاں اسلام قائم ہو چکا تھا۔ اب اُنہیں ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ وہ دوسرے کمزور مسلمانوں کی مدد کے لیے نکل کھڑے ہوں جن پر ظلم ڈھائے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ہمارے کرنے کا پہلا کام تو یہ ہے کہ ہم پہلے اپنے گھر کو درست کریں' اپنے ملک میں نفاذ اسلام کے لیے جدوجہد کریں' جہاد کریں' جانیں دیں' جہاں طاغوت کی حکمرانی ہے' قرآن کے سوا کوئی اور قانون چل رہا ہے۔ پہلے اپنی اصلاح کی فکر ہونی چاہیے۔ ذرا سوچئے' تمہاری حکومت تو اُن لوگوں کے ساتھ دوستیاں کرتی پھرتی ہے جن کے خلاف تم جدوجہد کر رہے ہو اور اپنی جانیں دے رہے ہو۔

فرمانِ نبویؐ

چودھری رحمت اللہ بٹر

نمازِ جمعہ اور اُس کی تیاری کی فضیلت

وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

((لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى)) (رواہ البخاری)

جناب عبداللہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جمعہ کے دن جو شخص غسل کرے اور اہتمام کے ساتھ بقدر امکان نظافت و پاکیزگی حاصل کرے اور گھر میں موجود تیل و خوشبو لگائے پھر نماز کے لیے جائے' مسجد پہنچ کر لوگوں کے درمیان گھس گھسا کر نہ بیٹھے (نہ ان کو پھلانگ کر جائے)' پھر جو فرائض ہیں ان کو ادا کرے اور امام کے خطبہ کے دوران چپ خاموش بیٹھا رہے' (اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا صلہ یہ ہے) اس کے جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیانی عرصہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں!۔''

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر ______
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

تا خلافت کی بِنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ
لاہور

ندائے خلافت

جلد 14
24 تا 30 نومبر 2005ء
21 تا 27 شوال المکرم 1426ھ
شمارہ 43

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔54000
فون: 6316638 - 6366638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن' لاہور۔54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالمی ڈونرز کانفرنس

حکومت نے انتہائی فخر سے اعلان کیا ہے کہ ڈونرز کانفرنس توقع سے زیادہ کامیاب رہی ہے۔ اس کانفرنس کا ہدف 5 ارب 20 کروڑ ڈالر تھا لیکن 5 ارب 82 کروڑ ڈالر کی امداد کا اعلان ہوا اور توقع ہے کہ یہ رقم 6 ارب ڈالر تک پہنچ جائے گی۔ یہ امداد دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس میں گرانٹ یعنی حقیقی امداد ایک ارب 90 کروڑ ڈالر ہے جبکہ 3 ارب 90 کروڑ ڈالر کے آسان قرضے ہیں۔ سب سے زیادہ امداد دینے والے ممالک امریکہ اور سعودی عرب ہیں جبکہ عالمی بینک اور ایشیائی بینک کی طرف سے بھی بڑی وافر تعداد میں امداد کا اعلان کیا گیا ہے۔

دنیا آج جس طرح ایک گلوبل ولیج کی صورت اختیار کر گئی ہے اس میں اس طرح کی کانفرنسیں عالمی تہذیب کا حصہ بن گئی ہیں۔ یہاں تک کہ امریکہ جیسا امیر کبیر ملک جو وسائل اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے حوالہ سے دنیا میں سرفہرست ہے' وہاں پچھلے دنوں سمندری طوفان کی وجہ سے جو ساحلی علاقوں میں تباہی ہوئی' عالمی سطح پر اس کا بھی مل جل کر مقابلہ کیا گیا اور پاکستان جیسے انتہائی غریب ملک نے بھی امدادی فنڈ میں ایک ملین ڈالر دیئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ امداد خالصتاً انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کی جاتی ہے اور سیاست' مذہب' رنگ ونسل کو بالائے طاق رکھ کر کی جاتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں اگر نیت واقعتاً یہی ہو تو یہ قابلِ قدر اور قابل تحسین کام ہے کیونکہ جس دین سے ہمارا تعلق ہے وہ تمام انسانوں کو اللہ کا کنبہ قرار دیتا ہے۔ وہ حیوانوں سے ہمدردی کرنے اور ان کی مناسب دیکھ بھال کرنے کا درس دیتا ہے۔ دین محمدیؐ کے پیروکاروں کو تو دورانِ جنگ بھی بلاوجہ درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا انسانی ہمدردی میں اٹھائے جانے والے کسی قدم کی تحسین کیوں نہیں کی جائے گی۔ البتہ زلزلہ زدگان کی مدد کے حوالہ سے ہم حکومت کی توجہ بعض اہم امور کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے:

1) حکومت کو سب سے پہلے یہ کام کرنا چاہئے کہ وہ اپنی بیلٹ ٹائٹ کرے۔ پاکستان کی حکومتیں اور ہماری بیوروکریسی شاید دنیا کی مہنگی ترین انتظامیہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت کے اللے تللے اور عیاشیاں اگر بند ہو جائیں تو ہمیں کسی ڈونرز کانفرنس کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔

2) مسلمان فرد ہو' معاشرہ ہو یا حکومت' اسے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے لازماً یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس کی اجازت دی ہے یا نہیں۔ ہمیں ڈونرز کانفرنس میں صرف گرانٹ قبول کرنی چاہیے تھی۔ قرضہ تحت شرائط پر ہو یا آسان شرائط پر' سود کی لعنت سے پاک نہیں ہوتا۔ لہٰذا قرض کی آفر شکریے کے ساتھ رد کر دینی چاہیے تھی۔

3) عالمی ڈونرز کانفرنس کے اختتام پر صدر مشرف نے اعلان کیا کہ اب ملکی سطح پر ڈونرز کانفرنس منعقد کی جائے گی جس میں مقامی سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو مدعو کیا جائے گا۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ یہ کانفرنس پہلے منعقد کی جاتی پاکستانی عوام نے مصیبت کے اس وقت میں جس فراخدلانہ رویے کا اظہار کیا۔ اس پس منظر میں یہ کانفرنس بہت کامیاب رہنے کی توقع تھی۔ پھر یہ کہ ہمیں دوسروں کے سامنے جھولی پھیلانے سے پہلے اپنے وسائل کو مجتمع کرنا چاہیے تھا کیونکہ گرانٹ بھی تو خیرات کا انگریزی ترجمہ ہے اور ہمیں اسے نہایت ناگزیر حالات میں قبول کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے ڈاکٹرز' انجینئرز اور مذہبی جماعتوں کے کارکنوں نے اگر جانفشانی' ایثار و قربانی کی مثالیں قائم کی ہیں تو ہمارے سرمایہ دار اور صنعت کار کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔

4) امدادی کاموں کی انجام دہی میں جذبہ اور محنت سے تو کام لیا جا رہا ہے لیکن نظم وضبط اور مانیٹرنگ کا فقدان ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ سرکاری اور غیر سرکاری کام کو ایک نظم میں پرو دے تاکہ بہتر نتائج حاصل کیے جا سکیں۔

5) اپوزیشن نے 12 اکتوبر کی طے شدہ حکومت مخالف تحریک کو زلزلہ کی وجہ سے ملتوی کیا۔ حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ پوائنٹ سکور کرنے کے چکر سے نکل کر زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے اپوزیشن کا تعاون حاصل کرے۔ باہمی اتحاد اور اتفاق بہت بڑی قوت ہے۔ بدقسمتی سے تا حال ہم اس سے محروم ہیں۔

(باقی بیک ٹائٹل پر)

پہلی غزل کا چوتھا اور پانچواں بند

(بالِ جبریل' حصہ دوم)

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا!
بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا!
وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا
فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی
مری اکسیر نے شیشے کو بخشی سختیٔ خارا!
رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا!
وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا!
محبت خویشتن بینی' محبت خویشتن داری
محبت آستانِ قیصر و کسریٰ سے بے پروا
عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را
وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل' وہی آخر
وہی قرآں' وہی فرقاں' وہی یٰسیں' وہی طٰہٰ!
سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا!

اِس قصیدہ نما نظم میں اقبال نے ایک سے زیادہ موضوعات کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ پہلے تین اشعار میں اپنے نقطۂ نظر سے غلامی اور آزادی کا تجزیہ کیا ہے۔

1۔ جب کوئی قوم مادہ پرستی میں مبتلا ہو جاتی ہے تو وہ نفسِ امارہ یا خواہشاتِ نفسانی کی غلام ہو جاتی ہے اور یہ غلامی کی بدترین صورت ہے' کیونکہ مادہ پرست قوم نیکی اور پاکیزگی' مروّت اور شرافت کے جذبات سے عاری ہو جاتی ہے۔ ایسی قوم دنیا میں کسی کو نیکوکاری اور شرافت کا درس نہیں دے سکتی' کیونکہ نیکی وہ ہے جسے ''آزاد بندے'' نیکی قرار دیں نہ کہ غلام۔ آزاد بندوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ کے قانون پر چلتے ہیں۔

2۔ غلاموں کی بصیرت بھی ناقابلِ اعتماد ہوتی ہے' اس لیے کہ بصیرت تو صرف اُن مردانِ حُر کے پاس ہوتی ہے جو بلاخوف و خطر حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے لیے اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔

3۔ آج کے عہد کا کامیاب و کامران قائد وہی ہے جو اپنی ہمت و صلاحیت کے بل بوتے پر مستقبل کے متوقع مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے اُن سے نمٹنے کی قدرت رکھتا ہو۔ مقصد یہ کہ عہدِ حاضر میں جو کچھ نظر آ رہا ہے' اُس کا اندازہ تو قریب قریب ہر سمجھ دار شخص کو ہو سکتا ہے' لیکن حقیقی رہنما وہی ہوتا ہے جو اپنی دُور بین نگاہوں اور شعور و ادراک سے مستقبل میں رونما ہونے والے معاملات تک رسائی حاصل کر سکے۔ ایسا شخص ہی اپنے دور کے علاوہ آئندہ نسلوں کا رہنما بھی ہوتا ہے۔

4۔ مذکورہ بالا تین اشعار کے بعد اقبال اپنا موضوع بدلتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اہلِ مغرب نے مشرق کی مستحکم اور باوقار قوموں کو اپنی مکاری اور عیاری سے ان کی تمام صلاحیتوں اور قوتوں سے محروم کر دیا ہے' لیکن قدرت نے مجھے ایسی توفیق عطا کی ہے' جس سے میں اہلِ مشرق میں ہمت اور مقابلے کی استطاعت پیدا کر سکتا ہوں۔

5۔ ملّتِ اسلامیہ کے دشمن مدتوں سے اِس کوشش میں ہیں کہ میرا قصہ پاک کر دیں' کیونکہ وہ مجھے اپنے مقاصد کی تکمیل میں زبردست رکاوٹ سمجھتے ہیں' لیکن مجھے اُن کی پروا نہیں ہے' اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ میں حکمتِ کلیمی کا وارث ہوں۔ میرے پاس بھی وہی معجزہ ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو عطا کیا تھا' یعنی یدِ بیضا' جس کی مدد سے انہوں نے فرعون کو شکست دی تھی۔

6۔ میرا فکر و عمل کسی منفی قوت سے ناکارہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے اقوامِ مشرق میں عزم و ہمت کی ایک نئی لہر اور ایک نیا جذبہ پیدا ہو جائے گا' اس لیے کہ یہ قوت و صلاحیت مجھے خود ذاتِ باری تعالیٰ نے عطا کی ہے۔

7۔ وہ اکسیر' وہ یدِ بیضا اور وہ چنگاری کیا ہے؟ وہ عشقِ رسول ہے جو مسلمان کے اندر خویشتن بینی اور خویشتن داری کی صفات پیدا کر سکتا ہے اور اُسے بادشاہوں سے بے نیاز کر سکتا ہے۔ خویشتن بینی سے مُراد ہے اپنی معرفت حاصل کرنا۔ خویشتن داری کا مطلب ہے اپنی خودی کی حفاظت کرنا اور اس میں استغنا کا رنگ پیدا کرنا جو مومن کی بنیادی صفات میں سے ہے۔

8۔ اگر مسلمان سرکارِ دو عالم ﷺ سے عشق کرنا اپنی زندگی کا شعار بنا لیں تو اقوامِ مغرب کی حقیقت ہی کیا ہے' وہ عناصرِ کائنات کو اپنا محکوم بنا سکتے ہیں۔

فتراک کا مطلب ہے شکار بند۔ مراد ہے آنحضرت ﷺ کی غلامی۔ اِس شعر کا دوسرا مصرع مرزا صائب کا ہے جس میں صرف ایک لفظی تغیر کیا گیا ہے۔ ''صاحبِ دولت'' کون ہیں؟ اِن کی صراحت اقبال آئندہ شعر میں کرتے ہیں۔

9۔ وہ ''صاحبِ دولت'' سرورِ کائنات ﷺ ہیں۔ آپؐ ہی اُس صراطِ مستقیم سے واقف ہیں جو اللہ تک پہنچتا ہے' اور آپؐ ہی خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی رسول مبعوث نہیں ہوگا۔ آپؐ ساری کائنات کے آقا اور سردار ہیں' اور آپؐ کی غلامی کی بدولت ''غبارِ راہ'' یعنی ایک ادنیٰ آدمی بھی ''فروغِ وادیٔ سینا'' یعنی قربِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔

10۔ کون صاحبِ دولت؟ وہ برگزیدہ ہستی ﷺ جس کو اگر عشق و مستی کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے۔ واضح ہو کہ اوّل اور آخر اللہ کی صفات ہیں۔ نیز آپؐ کی ذاتِ ستودہ صفات چونکہ معیارِ حق و باطل ہے' اس لیے آپؐ کو فرقان بھی کہہ سکتے ہیں' یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا' اور قرآن مجید میں اللہ نے آپؐ کو یٰسین اور طٰہٰ کے مقدس القاب سے بھی نوازا ہے۔

11۔ میں اِس بات کو سوءِ ادب خیال کرتا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کی ثنا میں حکیم سنائی سے بڑھ جاؤں' اس لیے اپنا قلم یہیں روکتا ہوں' ورنہ اِس بحر میں لاکھوں موتی موجود ہیں۔ یعنی ذاتِ محمدی ﷺ کی مدح و ثنا میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ ''لاکھوں'' کا لفظ استعمال کر کے اقبال نے نہایت بلیغ انداز میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حضور انور ﷺ کی مدح و ثنا کما حقہٗ طاقتِ بشری سے خارج ہے۔

منبر و محراب

نائن الیون کے بعد

ہمارا طرزِ عمل: مومنانہ یا منافقانہ

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں' امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 18 نومبر کے خطاب جمعہ کی تلخیص

(آیات کریمہ کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا:) گزشتہ جمعے ہم نے علامہ اقبال کے ایک شعر کے حوالے سے یہاں اس اہم موضوع پر گفتگو کا آغاز کیا تھا کہ ہمیں ہر زماں اپنے عمل کا حساب تنقیدی نگاہ سے کرنا چاہئے کہ زندہ قوموں کا یہی شعار ہے۔

ہم پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ نظریاتی پہلو سے ہم نے معکوس ترقی کی ہے۔ اِس عرصہ میں ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اس ملک میں اسلامی نظام قائم نہ ہونے پائے اور سیکولرازم کو فروغ دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہمارا آئیڈیل سیکولرازم ہی تھا' تو پھر علیحدہ وطن کی تحریک چلانے اور ہندوستان کے بٹوارہ کی کیا ضرورت تھی' کیا جواز تھا' اسی کا حصہ بن جاتے۔ وہاں تو جمہوریت بھی ہے' ہم تو جمہوریت بھی نہیں لا سکے۔ انہوں نے تو جاگیرداری نظام کا خاتمہ کر دیا' جو ظلم کی بنیاد ہے۔ ہم وہ بھی نہیں کر سکے۔

ہم نے نظریہ پاکستان سے عملاً انحراف تو کیا ہی تھا' پستی کی انتہا یہ ہے کہ اب نظری طور پر بھی اسے نصاب تعلیم سے کھرچ دیا جا رہا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ نظریہ پاکستان کی زد ہندوؤں پر پڑتی ہے۔ یہ کہنا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں' رواداری کے خلاف ہے۔ اسی طرح روشن خیالی کے نام پر اسلام کا جو تصور مغرب دے رہا ہے' اس کے خلاف مواد کو نکالا جا رہا ہے۔ نصاب میں دین اور دینی اقدار کا "سافٹ" امیج پیدا کیا جا رہا ہے۔ جو دین ہمیں نبی اکرم ﷺ نے دیا تھا' گویا اسے ہم مسترد کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہمیں وہ دین گوارا ہے جو یورپ سے آ رہا ہے۔ اگرچہ پاکستان کا تعلیمی نصاب پہلے ہی قومی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ ملک میں کئی قسم کے نصاب رائج ہیں۔ ہماری ایلیٹ کلاس کو جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس کا نظریہ پاکستان سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ وہ تو مغرب سے درآمدہ ہے۔ اِس طرح وہ کلاس جو روزِ اوّل سے پاکستان پر حکومت کرتی چلی آ رہی ہے' وہ تو پہلے سے ہی نظریہ پاکستان اور دین و مذہب سے بھی کاٹ دی گئی تھی۔ اب سرکاری سکولوں کے نصاب میں جو تھوڑا بہت نظریاتی پہلو تھا' اُسے بھی کھرچ دیا گیا۔ حالانکہ نصاب سے نظریہ پاکستان کو خارج کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گویا ہم اپنی پھانسی کے حکمنامے پر دستخط کر رہے ہیں۔ پاکستان کی بنیادوں سے دستبردار ہو رہے ہیں۔

نصابی تبدیلیوں کے علاوہ پورے معاشرہ سے روشن خیالی کے گمراہ کن نعرہ کے تحت دینی اقدار مٹائی جا رہی ہیں' اور خاص طور پر سنت رسولؐ اور اسوہ رسولؐ کے تصورات کو بالکل ہی خارج کیا جا رہا ہے۔ یہ خیال عام کیا جا رہا ہے کہ اسلام تو بس روشن خیالی اور رواداری کا نام ہے۔ اور قرآن مجید کی آیات کی غلط تاویلات کی جا رہی ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجے فقیہانِ حرم بے توفیق

اِس کے پس پردہ خطرناک سازش کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ دین مصطفیٰ ﷺ

> نظریہ پاکستان کو نصاب سے خارج کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی پھانسی کے حکم نامے پر دستخط کر رہے ہیں

ہمیں قبول نہیں' حالانکہ اللہ کے نزدیک دین وہی معتبر ہے جس کی تعبیر کا حق صرف حضور ﷺ کو ہے۔ رسول کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ فرمایا:

﴿من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ﴾ (النساء:80)

یعنی "جو رسول کی اطاعت کرے' اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی"۔

برصغیر پاک و ہند میں ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اکبر کے دین الٰہی کی کوشش بھی اس دور کی روشن خیالی تھی۔ اس کا عنوان بھی رواداری تھا۔ دین الٰہی کے پس پردہ یہی سوچ کارفرما تھی کہ مذاہب کی تفریق ختم کر کے سب کو ایک کر دیا جائے۔ آخر ہندو بھی بھگوان کو مانتے ہیں' عیسائی بھی اللہ کو مانتے ہیں' کوئی یہودی ہے تو وہ بھی اللہ کو مانتا ہے۔ بدھ مت میں بھی کوئی تصور خدا ہے۔ کیوں نہ ایسا ہو کہ تمام مذاہب کی چیدہ چیدہ تعلیمات لے کر دین کا مرکب تیار کیا جائے' جو سب مذاہب کے لئے قابل قبول ہو۔

پس یہ واضح ہے کہ ماڈریشن کے حوالے سے جو نیا تصور اسلام مسلط کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں' یہ اسلام' وہ دین خالص نہیں جس کو رسول خدا ﷺ سے لے کر تشریف لائے' بلکہ یہ اصل میں "دینِ امریکہ" ہے۔ اور اس کو پروموٹ کرنے کا شرف آج مغل بادشاہ اکبر کی بجائے پرویز مشرف کو حاصل ہے۔ پھر جیسے اکبر کو اپنے باطل افکار کی تائید اور ترویج کے لیے ابوالفضل اور فیضی جیسے بڑے بڑے مفاد پرست' دانشور اور نام نہاد علماء و فضلا مل گئے تھے' اسی طرح ہمارے صدر صاحب کے افکار کو بھی بہت سے متجددانہ سوچ رکھنے والے عقل گزیدہ دانشور اور سکالرز سندِ جواز "عطا" کر رہے ہیں۔

اس وقت حالات کے تیور یہ بتا رہے ہیں کہ ابلیسی قوتیں ایک شیطانی مثلث کی شکل میں پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کر رہی ہیں۔ ان کا سرخیل تو امریکہ ہے' لیکن اُس کی ڈور ہلانے والی اصل قوت اور ماسٹر مائنڈ اسرائیل (یہود) ہے۔ کسی زمانے میں یہ بات ایک انکشاف ہوا کرتی تھی' اب یہ راز نہیں بلکہ کھلی حقیقت ہے' جسے ہر شخص جانتا ہے۔ اور تیسری قوت ہنود ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تینوں قوتیں مل کر پاکستان اور اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں۔ بحالات موجودہ کوئی احمق ہی ہوگا جو یہ سمجھتا ہو کہ امریکہ کی نظرِ "بد" ہمارے ایٹمی پروگرام پر نہیں ہے اور وہ اس کو ختم نہیں کرنا چاہتا ہے۔ باخبر حلقے جانتے ہیں کہ امریکہ کا اصل ٹارگٹ پاکستان ہے۔ کیا امریکی ناظم الامور رابرٹ او بلیک کے بیان کے بعد بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلیں گی؟ انہوں نے دو ٹوک لفظوں میں کہا ہے کہ ہم بھارت کے ساتھ مل کر کسی تیسرے ملک کے خلاف مشترکہ فوجی آپریشن کر سکتے ہیں۔ یہ تیسرا ملک کون سا ہے' بتانے

کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے پہلے کنڈولیزا رائس کا یہ چشم کشا بیان سامنے آیا تھا' جب وہ پاکستان اور بھارت کا دورہ کر کے امریکہ واپس گئی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا ''پاکستان کے مستقبل کا فیصلہ امریکہ اور بھارت مل کر کریں گے''۔

اب جونیئو کی افواج اور امریکن افواج آئی ہیں' سوال یہ ہے کہ یہ کس کی اجازت سے اور کس کے مشورے پر آئی ہیں۔ اگر حکومت نے اجازت دی ہے' تو اُس نے یہ فیصلہ کس بنیاد پر کیا ہے' کسی کو خبر نہیں۔ ہم آزاد شہریوں کو کوئی حق نہیں کہ حکومت سے یہ سوال کر سکیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے' کیوں ہو رہا ہے۔ اسمبلی کو بھی کوئی اختیار نہیں کہ ایسے اہم ترین ایشوز پر وہاں Discussion ہو۔ یہ ہے ہماری آزادی!

ایک طرف دشمنوں کے پے در پے گھناؤنے بیانات اور سازشیں ہیں اور دوسری جانب ہماری حالت یہ ہے کہ ہم ان قوتوں کی چاپلوسی کرنے اور ان کی رضا جوئی حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہیں۔ ان کی خوشنودی کے لئے اپنی آزادی' خودمختاری اور اسلامی تشخص کو بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہیں۔ گویا ہمارا حال یہ ہے کہ۔

میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں
ان کا یہ حکم دیکھ میرے فرش پر نہ رینگ

یہ صورتِ حال پوری قوم' بالخصوص' کالج و یونیورسٹیوں میں پڑھے ہوئے لوگوں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ اُن افراد کے لیے لمحہ فکریہ ہے' جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ یوم آزادی مناتے ہیں' جو سمجھتے ہیں کہ پاکستان آزاد ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ہم نے ساٹھ برسوں کے سفر میں اپنی حقیقی آزادی کو مستحکم نہیں کیا' گنوایا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ کیسی آزادی ہے کہ ہم نہ سیاسی طور پر آزاد ہیں اور نہ دینی اور مذہبی طور پر۔ ہم نے غلط فہمیوں کی جو پٹیاں باندھی ہوئی ہیں اب انہیں اتارنے کا وقت آ چکا ہے۔ اقبال نے ایک موقع پر ملا کے محدود تصورِ دین پر جو پھبتی کسی تھی' وہ آج ان لوگوں پر صادق آتی ہے۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

اِن حالات میں ہم اپنے آپ کو آزاد کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ مذہب اور دین کے معاملے میں بھی ہم پر امریکہ کی مرضی ٹھونسی جا رہی ہے اور ہمارے سیاسی نظام کی پشت پر بھی امریکہ سوار ہے۔ دراصل یہ اہل پاکستان کو اللہ کی طرف سے سزا ہے کہ ہمیں حقیقی آزادی سے محروم کیا جا چکا ہے۔ ہمارے پاس کوئی مینڈیٹ اور اختیار نہیں ہے۔ ہمارا کوئی بھی فیصلہ جو امریکہ چاہتا ہے ''اوپر'' ہی ہو جاتا ہے۔ ہم نے اپنے مالک سے بغاوت کر رکھی ہے۔ ہم نے کبھی اللہ پر اعتماد نہیں کیا بلکہ ہمیشہ شیطانی قوتوں پر بھروسہ کیا۔ اپنی ساٹھ سالہ تاریخ میں امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بن کر اس کی خوشنودی کے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار رہے' لیکن اللہ کی خوشنودی کے لئے ہم ایک قدم اٹھانے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں' خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

اگر ان حالات میں جبکہ ہمارے خلاف سازشوں کے جال بُنے جا رہے ہیں ہم امریکہ سے کسی قسم کا تعاون کرتے ہیں' یا اس سے خیر کی توقع رکھتے ہیں تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری پوری قوم میں ہمت' مردانگی اور غیرت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ گویا وہ جو چاہیں ہم اُسے مطالبہ کریں' ہم اُسے پورا کرنے کے لئے آمادہ اور تیار ہیں۔ یہ ذہنی و فکری پستی آزاد قوموں کا شعار نہیں ہے' خاص طور پر مسلمانوں اور مومنوں کو یہ روش زیب نہیں دیتی۔

نائن الیون کے بعد ہم نے جو طرزِ عمل اختیار کیا' افغان پالیسی کے حوالے سے یوٹرن لیا' اس کا قرآن و سنت اور سیرت کے حوالے سے جائزہ لیتے ہیں۔ آخر ہم مسلمان ہیں۔ مشرف صاحب بھی اس پر بہت فخر کرتے ہیں' کہ میں مسلمان ہوں' تو مسلمان کے لئے اصل رہنمائی قرآن و سنت اور سیرت رسولؐ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امریکہ افغان جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ حالات ہی ایسے تھے کہ ہم مجبور تھے۔ کیونکہ امریکہ کا ٹارگٹ افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان بھی تھا۔ امریکہ بہت بڑا اتحاد بنا کر آیا تھا۔ اس وقت ہمیں دھمکی دی گئی تھی کہ ہمارا ساتھ دو' ورنہ پتھر کے زمانہ میں دھکیل دیں گے۔ چنانچہ مشرف نے جو کیا ٹھیک کیا' ورنہ افغانستان کے ساتھ ساتھ ہمارا ملک بھی تورا بورا بن جاتا۔ کیونکہ ہمارے اندر اتنی سکت نہیں تھی کہ دنیا کی سپر پاور کا اپنے محدود وسائل اور جنگی اسلحہ کے ساتھ مقابلہ کرتے۔ اس رائے کے حاملین یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اسلام کے عسکری اصول بھی یہ اجازت نہیں دیتے کہ طاقت کا اس قدر عدم توازن ہو' پھر بھی آپ دشمن کے مقابلے پر کھڑے ہو جائیں۔ بعض نام نہاد سکالرز امریکہ سے تعاون کے لیے صلح حدیبیہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس صلح سے پتہ چلتا ہے کہ مصلحت کے تحت کبھی دب کر بھی صلح کر لینی چاہیے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس بارے میں صلح حدیبیہ کا حوالہ دینا تو صریحاً غلط ہے کیونکہ صلح حدیبیہ جب ہو رہی تھی تب مسلمان دبے ہوئے نہیں تھے' بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اگر آپ سیرت کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ صلح کا پیغام لے کر تو کفار آئے تھے۔ چودہ سو مسلمان جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکلے تھے' انہوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار تھی' اگرچہ نیاموں کے اندر تھی۔ انہوں نے نبیؐ کے ہاتھ پر بیعت (رضوان) کی۔ انہوں نے عہد کیا کہ ہم یہاں سے تب تک نہیں ہلیں گے جب تک کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لے لیں' چاہے ہم سب ہلاک ہو جائیں۔ اِسی لیے اس بیعت کو بیعت علی الموت بھی کہا جاتا ہے۔ جب کفار کو اس کا علم ہوا تو انہیں اپنی موت نظر آنے لگی۔ اور وہ صلح کا پیغام لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اگرچہ صلح کی بعض شقیں ایسی تھیں کہ جو بظاہر ان کی Favour میں تھیں مگر نبیؐ نے اپنی فراست کی بنیاد پر انہیں تسلیم کر لیا' جس سے مسلمانوں میں ایک خلجان بھی پیدا ہوا اور ایک بے چینی بھی مگر یہ بات طے شدہ ہے اور قرآن حکیم سورۃ الفتح سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ صلح دب کر نہیں ہوئی۔ قابل غور بات یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے برعکس یہاں صورتِ حال کیا تھی؟ ہم تو مغلوب ہیں' ہم صلح کیا کر رہے' ہم تو امریکہ کا ہر مطالبہ ماننے کے لئے تیار ہو گئے۔ بھلا یہ کون سی صلح ہے؟ ہمارے مغلوبانہ پالیسیوں کی صلح حدیبیہ سے کیا نسبت؟

جہاں تک طاقت کے عدم توازن کی صورت میں مقابلہ نہ کرنے والی بات کا تعلق ہے تو یقیناً یہ بات درست ہے' لیکن طاقت کے توازن کو تب دیکھا جائے گا' جب مسلمانوں نے خود کسی دشمن ملک پر حملہ کرنا ہو یا کفار کے اوپر چڑھائی کرنی ہو۔ لیکن یہاں صورت یہ نہیں تھی کہ آپ کسی ملک پر حملہ کر رہے تھے بلکہ ایک طاقت آپ کو دھمکیاں دے رہی تھی' آپ نے تو کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی' خطرہ تو ان کی طرف سے تھا۔ سیرت میں اس صورت حال کی مطابقت غزوۂ احزاب سے ہے۔ اِس غزوہ میں عرب کی تمام طاقتیں مجتمع ہو گئیں اور انہوں نے مدینہ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ دنیاوی حساب کتاب کے اعتبار سے مسلمانوں کا خاتمہ اور تباہی یقینی تھی۔ جیسے ہمارے ہاں طاقت کا کوئی توازن نہیں تھا' وہاں بھی یہی صورتحال تھی۔ اس وقت مدینہ میں جو لوگ لڑنے کے قابل تھے' ان کی تعداد بمشکل تین ہزار تھی۔ ان میں بھی خاصی تعداد منافقین کی تھی' جن کے بارے میں اندیشہ تھا کہ عین وقت پر آستین کے سانپ ثابت ہوں گے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں

اکبر کو اپنے ''دین الٰہی'' کی ترویج کے لیے ابوالفضل اور فیضی جیسے مفاد پرست دانشور مل گئے تھے۔ آج صدر پرویز مشرف کی روشن خیال اعتدال پسندی کو بھی بہت سے بے راہ دانشور اور نام نہاد سکالر سند جواز ''عطا'' کر رہے ہیں

کفار کی تعداد بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک تھی۔ کثرت تعداد کے علاوہ' ان کا اسلحہ' ان کی جنگی تیاریاں اور جنگی وسائل بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے۔

اس انتہائی مشکل صورتحال میں منافقین اور مومنین کا جو کردار اور طرز عمل سامنے آیا' قرآن حکیم نے اُس کو واضح کیا ہے۔ منافقین کی کیفیت یہ تھی جیسے موت کے وقت مرنے والے کی آنکھوں میں دہشت اور خوف

> امریکی ناظم الامور رابرٹ او بلیک کا یہ بیان چشم کشا ہے کہ ہم بھارت کے ساتھ مل کر کسی تیسرے ملک کے خلاف مشترکہ فوجی آپریشن کر سکتے ہیں۔

ہوتا ہے۔ اِس حالت میں اُن کا نفاق ظاہر ہوگیا۔ اُن کی زبان پر وہ الفاظ آ گئے' جو قرآن نے نقل کئے ہیں۔ فرمایا:

﴿اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ (الاحزاب:12)

یعنی "اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے کہ جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے' سب فریب تھا"۔

منافقین کہنے لگے کہ ہم سے وعدے کئے گئے تھے کہ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں تمہارے قدموں میں ہوں گی' اور اس وقت کیفیت یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لیے باہر نہیں نکل سکتے۔

اِس کے برعکس مومنین صادقین نے کس عظمت کردار کا مظاہرہ کیا۔ سچے اہل ایمان جانتے تھے کہ اللہ نے مسلمانوں کو پیشگی انتباہ کر دیا تھا کہ اس راہ میں آزمائشیں اور امتحانات آئیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب:22)

یعنی "اور جب مومنین نے لشکر دیکھے' بولے یہ وہی ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔ اور بالکل سچ کہا تھا اللہ اور اُس کے رسول نے اور اُن کے ایمان اور اطاعت میں اور اضافہ ہوگیا"۔

اس غزوہ کے مشکل حالات سخت آزمائش تھے۔ اس آزمائش سے واضح ہوگیا کہ کون ہے سچا مومن جو اللہ پر توکل کرنے والا اور آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کرنے والا ہے' اور کون ہے جو محض ایمان کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان کے لاکھ دعوے کرے' لیکن اس کا توکل اللہ پر نہ ہو' بلکہ تمام تر بھروسہ محض ظاہری اسباب پر ہو تو وہ حقیقی ایمان سے محروم ہے' خواہ وہ کتنا بڑا مسلمان بنا پھرتا ہو۔ چنانچہ قرآن مجید کا یہی وہ مقام ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کو اُسوۂ حسنہ کے طور پر اجاگر فرمایا گیا کہ سچے اہلِ ایمان کے لیے رول ماڈل نبی اکرم ﷺ کی شخصیت اور آپ ﷺ کا طرزِ عمل ہے۔ غزوہ احزاب میں دشمن کے بے پناہ دباؤ کے باوجود آپ ؐ نے اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا بلکہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے پوری پامردی کے ساتھ دشمن کی افواج کے سامنے ڈٹ جانے کا سبق امت کو سکھایا۔

غزوہ احزاب کے آئینے میں ہم اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ ہم نے کون سی روش اختیار کی' منافقین کی یا مومنین صادق کی۔ ذرا سوچئے امریکی دھمکیوں کے بعد ہمیں بھی اپنی موت نظر آ رہی تھی' تباہی یقینی دکھائی دیتی تھی' تورا بورا ہونے کا خطرہ تھا۔ ہم نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا' کہ دشمن نے جو بھی مطالبہ کیا' ہم نے اُسے مان لیا' ہم نے کہا سر آنکھوں پر۔ جنرل ٹومی فرینکس نے اپنی کتاب میں اس بات کا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہم پر الزام دیا ساتھ دیا' اور ڈھٹائی کی انتہا یہ ہے کہ اس پر فخر کا اظہار بھی کرتے ہیں' حالانکہ اسلامی حکومت کے خلاف امریکہ کی حمایت اللہ کے غضب کو بھڑکانے والی جسارت تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی فاسق کو تقویت دینے کے لئے اس کے ساتھ چلتا ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے' اور اس کا عرش کپکپا اٹھتا ہے۔" اِس یوٹرن کے بعد نظریہ پاکستان سے ہی منحرف ہوئے۔ بعد ازاں جہاد کشمیر کے موقف سے پسپائی اختیار کی۔ وہ جہاد جس کو شروع شروع میں جنرل پرویز مشرف نے بہت سپورٹ کیا تھا' اور قابل تحسین موقف اپنایا تھا کہ یہ جہاد آزادی ہے۔ حریت پسند حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ لیکن جب امریکہ بہادر کی طرف سے کہا گیا کہ یہ دہشت گردی ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی کہہ دیا اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا' اور جہادی تنظیموں پر پابندی لگادی۔

ان حالات میں ہمارے حکمران طبقہ کو بھی اور ہم سب کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور حقیقت پسندانہ جائزہ لینا

> افغان پالیسی کے حوالے سے ہم غزوۂ احزاب کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں کہ ہم نے کون سی روش اختیار کی' منافقین کی یا مومنین صادقین کی!

ہے کہ جنرل مشرف کے سامنے امریکہ نے جتنے مطالبے رکھے' خیال تھا کہ ان میں سے کچھ تو مان جائیں گے اور کچھ تسلیم نہیں کریں گے لیکن انہوں نے سب کے سب مطالبے مان لئے۔

محترم صدر نے امریکی مطالبات کو ماننے میں دیر نہیں لگائی۔ طالبان کے خلاف یوٹرن لینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ طالبان حکومت کوئی عام حکومت نہیں تھی۔ وہ ایک نظریاتی حکومت تھی جو ایک ارب سے زائد مسلمان جو اس وقت کرۂ ارض پر بستے ہیں' ان کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے چلی تھی۔ شریعت کا نفاذ اس کا مشن تھا' تاکہ زمین پر اللہ اور اُس کے رسول کی شریعت کی بالادستی ہو۔ وہ واحد حکومت تھی جس کا رخ اللہ کی طرف تھا۔ ہم نے اس کے خاتمے' اور اسلام کے عظیم مجاہدین کو ذبح کرنے میں امریکہ کا

چاہئے کہ ساٹھ سالوں میں ہم کہاں سے کہاں پہنچے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جس اسلام کی بنیاد پر ہم نے ایک ملک حاصل کیا تھا آج وہ اسلام بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گیا اور اس ملک کے فیصلے بھی اور لوگ کر رہے ہیں۔ ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے حکومتی سطح پر راگ رنگ اور ناچ گانے کے پراوگرموں سے بھرپور ورلڈ پرفارمنگ فیسٹیول کا انعقاد اس امر کا ثبوت فراہم کر رہا ہے کہ ہم نے اللہ کی اس تنبیہ سے سبق نہیں سیکھا بلکہ ہمارے دل مزید سخت ہو گئے اس فیسٹیول کا انعقاد' اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور دینی بے حمیتی اور بے حسی کا سنگین ترین مظاہرہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے اور ہمارے حکمرانوں کو اور ہم سب کو خود احتسابی اور توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اقراء ایجوکیشنل ٹرسٹ لندن کے زیر اہتمام متاثرین زلزلہ کو خیمے اور نقد رقوم کی تقسیم

اقراء ایجوکیشنل ٹرسٹ (لندن) کے نمائندہ برائے پاکستان مختار احمد خان نے زلزلہ سے متاثرہ علاقوں مظفر آباد' دھیر کوٹ' باغ اور ایبٹ آباد کا دورہ کیا اور متاثرین زلزلہ کو خیمے اور فی خاندان -/25000 روپے تقسیم کیے۔ انہوں نے بتایا کہ متاثرین زلزلہ کو نئے گھر بھی تعمیر کر کے دیئے جائیں گے جس کے لیے ٹرسٹ کے چیئرمین جناب انیس احمد قادری صاحب لندن میں فنڈز کی فراہمی کا بندوبست کر رہے ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اقراء ٹرسٹ زلزلہ زدہ علاقوں میں متاثرہ خاندانوں کی روزمرہ ضروریات اور بچوں کی تعلیمی سرگرمیوں کی بحالی کے لیے بھی اقدامات کر رہا ہے۔

سیاست اور مذہبی جماعتیں

محمد سمیع

سیاست چھوڑیں اور تبلیغ کریں۔ جتنی یہ بات غلط ہے اس سے زیادہ یہ بات غلط ہے کہ تنظیم اسلامی کا بنیادی مطالبہ ہی یہ ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتیں سیاست سے کنارہ کش ہو جائیں اور اپنی تمام تر توجہ تبلیغ پر صرف کریں۔ دراصل یہ مغالطہ اس لیے ہے کہ لوگ تنظیم کے موقف کو یا تو سمجھ نہیں پائے ہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں اُس کا یہ دیرینہ موقف ہے کہ جاری نظام کا حصہ بن کر اس نظام میں کچھ جزوی اصلاحات تو کی جاسکتی ہیں اس کو جڑ سے نہیں اکھاڑا جاسکتا۔ دنیا کے انقلاب کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ انقلابی جماعتیں کبھی جاری نظام کا حصہ نہیں بنیں۔ مذہبی سیاسی جماعتیں ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ وہ اس ملک میں اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتی ہیں لیکن دوسری طرف وہ ملک کے انتخابی نظام میں حصہ لیتی ہیں۔ پارلیمنٹ تک رسائی حاصل کرتی ہیں اور وہاں جا کر وہ اس دستور کی وفاداری کا حلف اٹھاتی ہیں جو موجودہ نظام کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں؟

سوال یہ ہے کہ موجودہ نظام تک رسائی حاصل کرنے والے لوگ کون ہیں؟ آپ پارلیمنٹ کے ارکان پر نظر ڈال لیں۔ ان میں اکثریت کس کی ہے؟ جاگیردار وڈیرے خوانین سردار اور سرمایہ دار۔ ان میں کچھ وہ ہیں جو کریلا اور نیم چڑھا کے مصداق بیک وقت جاگیردار بھی ہیں اور صنعتکار بھی۔ ان کے حلقۂ انتخاب یا بالفاظ دیگر حلقۂ اثر پر نظر ڈالیں۔ وہ غریب ہاری اور کسان جو ان کے خلاف ووٹ ڈالنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ایسا کریں تو جو نتائج انہیں بھگتنے پڑیں گے ان سے آپ اور ہم اچھی طرح واقف ہیں۔ ہمارا معاشرہ Agrestic ہے اور ہماری آبادی کے کم و بیش 70 فیصد پر مشتمل ہے۔ اتنی بڑی آبادی کی اپنی کوئی رائے نہیں۔ سرمایہ دار اور صنعت کار ووٹ خریدنے کے لیے وافر مالی وسائل رکھتا ہے۔ انتخابات میں دھاندلی ہمارا سیاسی کلچر ہے۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں انتخابات میں کامیابی کا انحصار دھونس دھن اور دھاندلی پر ہے۔

کیا ہمارے جاگیردار اپنی جاگیر میں جاگیرداری کے بارے میں اسلام کے قانون کو نافذ ہونے دیں گے بالخصوص جب کہ وہ پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں؟ ان کا حال تو یہ ہے کہ وہ اپنے حلقۂ اثر میں تعلیم کو عام کرنے نہیں دیتے کہیں ان کے زیر اثر لوگوں میں سیاسی شعور نہ پیدا ہو جائے۔ اسی طرح کیا ہمارے سرمایہ دار اور صنعت کار جن کی اکثریت اس خیال کی حامی ہے کہ آج کی معیشت کے لیے سود ناگزیر ہے' سودی نظام کو ختم ہونے دیں گے۔ ہمارے دانشوروں کی دانش چونکہ عموماً مغرب سے درآمد شدہ ہے' وہ اگر جمہوریت کی نیلم پری پرواری ہیں تو بات کسی قدر قابل فہم ہے لیکن یہ جو ہماری مذہبی سیاسی جماعتیں بی جمہوریت کے عشاق کی صف میں شامل ہیں تو اس بارے میں علامہ اقبال کے اس شعر ہی کا مصداق نظر آتی ہیں۔

کیا امامانِ سیاست' کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا دیتی ہے اپنی ایک ھو

جس ملک کے عوام کی عظیم اکثریت انتخابات میں اپنی آزادانہ رائے استعمال نہیں کر سکتے اور دباؤ کے تحت اپنے علاقے کے بااثر لوگوں کو ووٹ دینے پر مجبور ہیں اور اس پر مستزاد جس ملک کی شرح خواندگی کی سطح اتنی نیچی ہو' وہاں جمہوریت کے پودے کا پنپنا نہ اب تک ممکن ہوا ہے اور نہ آئندہ ہونے کے کوئی امکانات نظر آتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وقفہ وقفہ سے یہاں مارشل لاء اور فوجی حکومتیں قائم ہوتی رہیں ہیں۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ نہ صرف ہمارے سیاسی قائدین ہر مارشل لاء کے نفاذ کا خیر مقدم کرتے ہیں بلکہ فوجی حکومتوں کو کندھا بھی دیتے ہیں' کیونکہ ان کو ملک کا مفاد نہیں بلکہ اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ یہ سب ہمارے ہاں کے جاگیردارانہ معاشرہ کا شاخسانہ ہے ورنہ ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں اگر جمہوریت کا پودا پروان چڑھ رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کانگریس نے "گر بہ کشتن روز اول" کے مصداق ابتدا ہی میں اپنے ہاں جاگیرداری کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بھارت کو تو چھوڑیئے' ہمارے سامنے بنگلہ دیش کی مثال موجود ہے۔ وہاں اگر مارشل لاء کو پنپنے کا موقع نہیں ملا تو اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ وہاں جاگیرداری کی جڑیں اتنی گہری نہیں۔

تنظیم اسلامی جب اس موقف کا اظہار کرتی ہے کہ انتخابی نظام میں حصہ لے کر وطن عزیز میں اسلامی نظام عدل اجتماعی کو نافذ نہیں کیا جاسکتا تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دین کو سیاست سے الگ کرنا چاہتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی چنگیزی

اس مغالطہ کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ہمارے ہاں انتخابی سیاست ہی کو سیاست سمجھا جاتا ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انتخابی سیاست میں جو لوگ حصہ نہیں لیتے' وہ لوگ سیاست سے باہر ہیں۔ کیونکہ عملی طور پر انہیں یہی کچھ نظر آرہا ہوتا ہے۔ حالانکہ سیاست کا ایک پہلو نظریاتی بھی ہے۔ اخبارات میں صحافی حضرات سیاسی تجزیئے کرتے ہیں' ان کا بھی سیاست میں کردار ہے۔ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے مختلف سیاسی معاملات میں رائے عامہ ہموار کر رہے ہوتے ہیں جس کا لازمی اثر ملکی سیاست پر پڑتا ہے۔ پارلیمنٹ کے باہر قائم پریشر گروپس مختلف معاملات میں حکومت پر دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ اس کی مثال ہماری سیاسی تاریخ میں موجود ہے۔ جماعت اسلامی جب انتخابی سیاست میں نہیں تھی تو اس نے بڑی کامیابی کے ساتھ قرارداد مقاصد کے حق میں عوام کو متحرک کیا تھا جس کے نتیجے میں اسے پارلیمنٹ کے ارکان کی حمایت بھی حاصل ہوئی تھی اور حکومت کو اس قرارداد کی منظوری دینی پڑی تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب جیسے بزرگوں نے پارلیمنٹ کے اندر سے دباؤ ڈالا تو یہ منظوری ممکن ہو سکی۔ اس کے برعکس' جب جماعت اسلامی انتخابی سیاست میں آئی تو وہ دیگر جماعتوں کی حریف ہونے کی پوزیشن میں آگئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب متحدہ شریعت محاذ کے تحت تحریک چلی جس میں شامل جماعتوں میں ایک منظم جماعت کی حیثیت سے جماعت اسلامی سب سے زیادہ متحرک تھی کہ دینی جماعتوں کو پریشر گروپس کی شکل اختیار کرنی چاہیے اور انتخابی سیاست میں حصہ لینے کے بجائے

ہمارے دانشوروں کی دانش عموماً مغرب سے درآمد شدہ ہے۔ وہ جمہوریت کی نیلم پری پرواری ہیں تو بات کسی قدر قابل فہم ہے لیکن یہ ہماری مذہبی سیاسی جماعتیں مغربی جمہوریت کے عشاق کی صف میں کیوں کھڑی ہیں

احتجاجی سیاست کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس کو اختیار کر کے نہ صرف ایران میں انقلاب برپا کر دیا گیا بلکہ کچھ مغربی ممالک میں بھی یہ طریقہ کامیاب رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتیں پارلیمنٹ سے باہر آ کر احتجاجی سیاست کے لیے کون سا طریقہ

دینی جماعتوں کو پریشر گروپ کی شکل اختیار کرنی چاہیے اور انتخابی سیاست میں حصہ لینے کی بجائے احتجاجی سیاست کا طریقہ اپنانا چاہیے جس کو اختیار کر کے ایران میں انقلاب برپا کیا گیا

اختیار کریں۔ اس کے لیے ہمارے سامنے نبی اکرم ﷺ کا انقلابی طریقہ کار موجود ہے۔ دعوت' تنظیم' تربیت ان تمام مراحل میں پیش آمدہ مشکلات پر صبر اور اپنے حلقۂ اثر میں اضافہ کی مسلسل کوشش اور اس دوران تحریر و تقریر کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی۔ جب اس پریشر گروپ کو معتد بہ تعداد میں اتنے افراد میسر ہو جائیں جو اولاً اپنی زندگی پر اسلامی شریعت کو حتی الامکان نافذ کر چکے ہوں' اپنی معاشرت کو بے پردگی' فحاشی اور عریانی سے' اپنی معیشت کو حرام ذرائع سے پاک کر چکے ہوں اور فرائض و واجبات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کم از کم جملہ گناہ کبیرہ سے مجتنب ہو چکے ہوں اور قرآن کی روشنی میں ان کا اتنا تزکیہ ہو چکا ہو کہ وہ نظام باطل سے ٹکرانے کے لیے اپنی جانوں پر کھیلنے کے لیے تیار ہوں' تو پھر معاشرے کی ان برائیوں کے خلاف جن پر تمام مکاتب فکر متفق ہوں' حکومت وقت کو یہ چیلنج دیا جائے کہ اس برائی کو ختم کرو ورنہ ہم حرکت میں آئیں گے۔ اور اگر حکومت اس الٹی میٹم پر دھیان نہ دے تو حصول مقصد کے لیے پر امن دھرنے' گھیراؤ احتجاجی مظاہروں کو منظم کیا جائے۔ مثلاً سود کی حرمت تو مسلمانوں کے تمام مکتبہ فکر کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ یہ قرآنی نص سے ثابت ہے اور ہر مسلمان کی دلی خواہش ہے کہ وہ سودی نظام معیشت سے نجات حاصل کرے' لہٰذا حکومت اگر سودی معیشت جاری رکھنے پر مصر ہو تو تمام بینکس کا گھیراؤ کیا جائے اور اس وقت تک وہاں سے اٹھنے کے لیے تیار نہ ہو جب تک یا تو اُن کا مطالبہ مان لیا جائے یا حکومت اس کے خلاف ایکشن میں آ جائے۔ حکومتی اقدام کے جواب میں مسلح بغاوت سے گریز کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کرنے کا تہیہ کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ عوام اس پریشر گروپ کا ساتھ نہ دے اور اسے کامیابی حاصل نہ ہو۔ یہ سول نافرمانی کا طریقہ نبی اکرم ﷺ کے انقلابی اسوہ کے مسلح تصادم کے مرحلے کا نعم البدل بن جائے گا۔

حکومت کے خلاف مسلح بغاوت ہمارے دین میں حرام نہیں لیکن اس کے فقہاء نے جو شرائط عائد کی ہیں وہ بہت کڑی ہیں۔ مزید برآں' آج حکومت اور عوام کے مابین طاقت کے توازن میں کوئی مناسبت نہیں۔ حکومت کے پاس تربیت یافتہ فوج' پیرا ملٹری فورسز اور جدید ترین اسلحہ ہوتا ہے' جب کے عوام کے غیر تربیت یافتہ اور نہتے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے بھی وطن عزیز میں حکومت سے تصادم کا راستہ اختیار کیا ہے' اسے حکومت نے طاقت کے بل پر کچل کر رکھ دیا۔

لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ بڑا طویل پراسس ہے جبکہ ووٹ کے ذریعہ اقتدار میں آ کر اسلامی نظام حکومت قائم کیا جا سکتا ہے۔ ظاہراً یہ بڑی دل خوش کن بات لگتی ہے لیکن تاریخی حقائق یہ ہیں کہ آج تک مذہبی سیاسی جماعتیں اس تعداد میں پارلیمنٹ میں نہ پہنچ سکیں کہ کوئی ایک قانون بھی اس تعداد کے بل پر پاس کروا سکیں۔ متحدہ مجلس عمل کو سرحد میں اکثریت حاصل ہے لیکن وہ اسلامی نظام کے حوالے سے اب تک کوئی ٹھوس پیش رفت نہ کر سکی۔ شریعت بل کی منظوری کے باوجود اس کی برکات ظاہر نہیں ہوئیں۔ حسبہ بل کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہیں۔ مجلس عمل کی اس کارکردگی کے نتیجے میں ان کی مقبولیت کا گراف کس حد تک گر چکا ہے وہ حالیہ بلدیاتی انتخابات کے نتائج سے ظاہر ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاست دین کا ایک شعبہ ہے لیکن ہماری مذہبی سیاسی جماعتوں نے جو طور طریقے اختیار کیے ہیں' اس پر مولانا کوثر نیازی (مرحوم) نے اپنے ایک انٹرویو میں بڑا عمدہ تبصرہ کیا تھا کہ سیاست دین کا ایک شعبہ ہے لیکن ہماری مذہبی سیاسی جماعتوں نے دین کو سیاست کا ایک شعبہ بنا کر رکھ دیا ہے واقعہ یہ ہے کہ سیاست کو اس طرح سیاسی مذہبی جماعتوں نے اپنا مرکز و محور بنا لیا ہے کہ دین پس پشت جا چکا ہے۔ اس کا مظہر ہے کہ ان جماعتوں کے کارکنوں میں دینی اعتبار سے پسپائی روز افزوں ہے' جو کسی بھی جماعت کے کارکنوں کے معمولات پر غور کرنے پر نظر آ سکتی ہے۔ مکر و فریب کی سیاست میں الجھ کر ان جماعتوں نے ''عزت سادات'' بھی کھو دی ہے۔

جہاں تک بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی کا تعلق ہے' وہ ہرگز ملکی سیاست سے کنارہ کش نہیں اور ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد قرآن کے طالب علم ہیں۔ وہ بھلا یہ کیسے گوارا کر سکتے ہیں کہ دین سے سیاست کو جدا کر دیں۔ مذہبی سیاسی جماعتوں اور تنظیم اسلامی میں فرق صرف approach کا ہے۔ دونوں ہی سیاست میں in ہیں۔ جو بھی کسی مغالطے میں مبتلا ہے اسے اپنا یہ مغالطہ دور کر لینا چاہیے۔

❁ ❁

بانیٔ تنظیم اسلامی کی ریڑھ کی ہڈی کا آپریشن..... تازہ صورت حال

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب حال ہی میں ایک میجر آپریشن سے گزرے ہیں۔ گزشتہ جمعرات (17 نومبر) کو بانیٔ تنظیم شدید کمر درد میں مبتلا ہوئے اور اسی تکلیف کے دوران ایک بار لڑکھڑا کر گر بھی پڑے' جس کے نتیجے میں کمر میں شدید تکلیف ہوئی کہ اٹھنا' بیٹھنا اور چلنا ناممکن ہو گیا..... ملک کے معروف آرتھوپیڈک سرجن ڈاکٹر عامر عزیز کے مشورے پر ایمبولینس کا انتظام کیا گیا اور فوری MRI کرایا گیا۔ جمعہ کا دن اس کیفیت میں گزرا اور ہفتہ کو دن 1 بجے سرجی میڈ ہسپتال میں ریڑھ کی ہڈی کی ہنگامی سرجری کرنا پڑی..... ڈاکٹر عامر عزیز نے اس دوران جس اپنائیت اور خلوص سے ان تمام مراحل سے گزارا' اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ ایک دن ICU میں گزارنے کے بعد بانی تنظیم پرائیویٹ روم میں منتقل ہو گئے۔ الحمدللہ آج (23 نومبر) آپریشن ہوئے چار دن گزر چکے ہیں۔ واکر کے سہارے کھڑا ہونا اور سہارے کے ساتھ چند قدم چل لینا ممکن ہو چکا ہے' اور سب سے بڑھ کر اللہ کا فضل یہ ہوا کہ کمر درد کی شدید تکلیف سے نجات مل گئی..... اگرچہ شوگر لیول خاصا ہائی ہے تاہم ان شاء اللہ یہ تمام عوارض بھی Normalize ہو جائیں گے۔ قارئین اور رفقاء و احباب سے درخواست ہے کہ بانیٔ تنظیم کی صحت و عافیت اور ایمان و سلامتی کے لیے دعا ضرور کرتے رہیں۔

(از قلم: ڈاکٹر عارف رشید)

سید قطب شہیدؒ کی آپ بیتی

سید قاسم محمود

جب ہم نے دیکھا کہ پورا مصری معاشرہ اخلاقی گراوٹ' الحاد اور بے دینی کی لپیٹ میں آ گیا ہے' انتشار بڑھتا جا رہا ہے' اور اِن ساری شر پسند طاقتوں کو چیلنج کرنے والی طاقت ''الاخوان المسلمون'' کی تھی جسے سٹیج سے ہٹا دیا گیا ہے تو میرے احساس اور جذبے کی شدت بڑھ گئی۔

جب میں جیل میں تھا تو وہاں کے بے روزن دیوار عمارتوں میں یہ سب کچھ سنتا' نوشتۂ دیوار پڑھتا۔ جیل سے باہر آیا تو خود مشاہدہ کیا۔ آنکھوں دیکھا حال کانوں سنی ہوئی باتوں سے بھی زیادہ تلخ تھا۔ پورا معاشرہ ایک بڑی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا تھا۔

بات بہت گہرائی میں جا کر سمجھنے کی ہے۔ صیہونی اور مغربی سازشی عناصر نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دی ہیں کہ انسانی معاشرے کی شکل ہی مسخ کر دی جائے۔ اِس علاقے میں ایسے بے رُوح جسم رہ جائیں جو بے وقعت انبوہ سے زیادہ نہ ہوں۔ پھر کسی بیرونی حملے کو روکنا کیا' خود آگے بڑھ کر اُسے خوش آمدید کہیں گے۔ یہاں پہنچ کر وہ اسلحہ بھی بے کار ہو گا جو خواہ کتنا ہی جدید ترین ہو' مگر اصل چیز انسان ہے نہ کہ ہتھیار۔ معاشرہ جب مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے تو پھر لاکھوں افراد پانی کی لہروں پر بہتے خس و خاشاک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ لہریں اپنی مرضی سے انہیں جدھر چاہیں بہا لے جائیں۔

حقیقت پسندی سے اگر دیکھا جائے کہ اخلاقی زوال کیوں آیا' تو وہ الاخوان المسلمون کو اِس محاذ سے ہٹانے کے بعد ہی آیا۔ اس کا تربیتی پروگرام نہ رہا۔ دعوتی سرگرمیاں موقوف کی گئیں تو دماغ میں ہر طرح کے فساد نے ٹھکانا بنا لیا۔ اس طرح یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہے کہ اخوان کو منظر سے ہٹانا مغربی سازشوں کی کامیابی کا ثبوت تھا۔

1955ء سے 1962ء تک' تمام وقت میں نے اس پر غور و فکر کیا کہ الاخوان کا خلا کس طرح بھرا جائے گا' تاکہ اس میدان میں تسلسل برقرار رہے۔ پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھا کر کام کو آگے بڑھانے کا طریق کار کیا ہو اور اس کا آغاز کس انداز سے ہو۔ یہیں سے ایک نئی منزل کے سفر کا آغاز ہوا۔ اس دوران میں بھی خاص واقعات پیش آتے رہے تھے' جن کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کروں گا۔

جیل یا قتل گاہ

حادثہ منشیہ کے نتیجے میں اخوان کے ساتھ ہر طرح کا ظلم روا رکھا گیا۔ جیلیں بھر گئیں۔ سزا و عذاب کا ایک سلسلہ چلا' جو دراز تر ہوتا گیا۔ گھر اُجڑے' بچے اور عورتیں بے سہارا ہو گئے۔ انہیں حکومت سے مدد ملی نہ وہ اپنے وسائل کام میں لا سکے۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا' اور آج بھی یہ کوششیں جاری ہیں جو اگر کامیاب ہو جائیں تو ایسا قتلِ عام ہو کہ بقیہ اخوان بھی صاف کر دیے جائیں۔ تانے بانے اِس انداز سے بُنے جا رہے ہیں کہ سب کچھ ہو جائے' مگر اصل حقیقت کا علم کسی کو نہ ہو سکے۔

یہ اپریل' مئی 1955ء کی بات ہے۔ گرفتار اخوان کو مصر کی تین جیلوں میں بھرا گیا تھا؛

1۔ لیمان طرۃ جیل۔ اس میں تقریباً چار سو اخوان قید میں رکھے گئے۔

2۔ مصر کی جیل۔ یہاں کے قیدیوں کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔

3۔ فوجی جیل۔ اس میں دو ہزار قیدی تھے۔ اُن کا معاملہ نہ تو عدالت کے سامنے لایا گیا تھا' نہ اُن کے بارے میں سزا تجویز کی گئی تھی۔

لیمان طرۃ جیل میں جو قیدی تھے' اُن میں بعض سابق فوجی افسر بھی تھے' جیسے فواد جاسر' حسین حمودہ' عبدالکریم عطیہ' جمال ربیع۔ ان میں سے میں فقط معروف خضری کو جانتا ہوں۔

جمال ربیع نے ایک منصوبہ تیار کر کے اخوان کے سامنے رکھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ تینوں جیلوں کے قیدیوں میں ایسی مفاہمت ہو جائے کہ ایک ہی طے شدہ وقت پر سب جیل کے ذمہ داروں پر حملہ کر کے انہیں بے قابو کر دیں۔ وہاں پر موجود اسلحے پر قبضہ کر کے جیل سے باہر آ جائیں اور انقلاب لانے کی کوشش کریں۔ اخوان کے حامی فوجی اُن کا ساتھ دیں گے۔ اس منصوبے کی فوجی تفصیلات تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ بہر حال بنیادی نکتہ یہ تھا کہ دریائے نیل کے پار قصرِ صدارت پر حملہ کر دیا جائے گا تو انقلاب کامیاب ہو جائے گا۔ اس طرح کی تفصیلات میں نے اُس وقت سُنی تو تھیں' مگر لغو خیال کہہ کر میں نے انہیں ذہن سے جھٹک دیا تھا۔

جمال ربیع نے یہ منصوبہ خود اُس کے بقول فواد جاسر اور حسین حمودہ کے سامنے رکھا تھا' مگر انہوں نے بھی کوئی دلچسپی نہ لی۔ پھر صالح ابو رفیق سے بات کی تو انہوں نے اُسے ڈانٹ دیا اور سختی سے ایسے اقدام سے روکا۔ صالح ابو رفیق نے یہ بات مجھے بتائی۔ پھر جمال ربیع نے خود مجھ سے بات کی اور کہنے لگا: ''جماعتِ اخوان تو ایسے جی دار لوگوں سے خالی ہے جو اِس منصوبے کی تکمیل میں میرا ساتھ دینے کی ہمت کریں۔'' میں عسکری باریکیوں سے واقف نہیں' مگر میں نے یہی سمجھا تھا کہ یہ خودکشی کا منصوبہ ہے' جس پر غور کرنا بھی پاگل پن ہے..... مگر وہ تھا کہ مجھ سے بار بار اِس منصوبے پر کام آگے بڑھانے کے لیے کہتا اور یہی دعویٰ کرتا کہ یہ منصوبہ ہر اعتبار سے قابلِ عمل اور مکمل ہے۔ میں اُن دنوں لیمان طرۃ میں قید تھا۔ اُس وقت تک مجھے عدالت میں پیش کیا گیا تھا نہ میرے خلاف چارج شیٹ لائی گئی تھی۔ اس دوران میری بیماری نے شدت اختیار کر لی اور میرے پھیپھڑوں پر ورم آ گیا' جن سے خون رسنے لگا۔ اس لیے مجھے 5 جنوری 1955ء کو جیل کے ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ علاج سے میری حالت کچھ بہتر ہوئی تو پھر جیل لوٹا دیا گیا اور عدالت کے سامنے پیش کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں..... جمال ربیع اُس وقت مجھ سے ملا اور پھر کہنے لگا:

> صیہونی اور مغربی سازشی عناصر کی پوری کوشش ہے کہ انسانی معاشرہ کی شکل ہی مسخ کر دی جائے۔ ایسے بے روح جسم رہ جائیں جو بے وقعت انبوہ سے زیادہ کچھ نہ ہوں۔ پھر کسی بیرونی حملے کو روکنا تو کیا' وہ خود آگے بڑھ کر اُسے خوش آمدید کہیں گے۔ اُن کا جدید ترین اسلحہ بھی بے کار ہو گا۔

''ایسا انتظام ہوا ہے کہ اسے تائید الٰہی سمجھنا چاہیے۔ اب آپ فوجی جیل منتقل کیے جا رہے ہیں۔ اس سے فائدہ اٹھا

کر آپ معروف خضری سے مل کر اس منصوبے پر بات کیجیے گا''۔ میں نے اُس کی بات سنجیدگی سے کبھی نہ سنی تھی۔ بہرحال یہ وعدہ کرلیا کہ معروف سے بات کروں گا۔

جب معروف خضری سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے اُس کے سامنے یہ منصوبہ رکھا اور اس سے پہلے کہ وہ یہ معلوم کرتا کہ یہ منصوبہ کس کے ذہن کی پیداوار ہے' وہ ایک دم طیش میں آ گیا اور جھلا کر بولا: ''یہ اخوان کے قتلِ عام کی سازش ہے۔ یہ کامیاب ہوگئی تو جو جیل میں ہیں' وہ بھی صاف کر دیئے جائیں گے اور جو جیل سے باہر ہیں' وہ بھی''۔ پھر اُس نے پوچھا کہ یہ منصوبہ پیش کس نے کیا ہے؟ میں نے جمال ربیع کا نام لیا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ دونوں دوست ہیں اور جب گرفتاری ہوئی تو وہ دونوں ایک ہی جگہ سے پکڑے گئے تھے۔ اُس نے کہا: ''نہ نہ..... یہ خودکشی کی کوشش ہے۔ اس کے بارے میں سوچنا بھی غلط ہے۔''

پھر میرا مقدمہ چلا اور مجھے لیمان طرۃ جیل میں واپس بھیج دیا گیا۔ وہاں میں نے جمال ربیع کو معروف خضری کی رائے سے آگاہ کیا' لیکن وہ پھر بھی جیل میں قیدی اخوان کو آمادہ کرتا رہا کہ وہ اِس منصوبے پر عمل کریں' مگر اُسے کسی کی حمایت حاصل نہ ہوسکی۔

اُسی زمانے میں لیمان طرۃ جیل میں جو فوجی پلٹن متعین تھی' اُس کا کمانڈر کیپٹن عبدالباسط بنا تھا۔ میں نے یہ بات نوٹ کی کہ وہ جیل کے ہسپتال میں آتا تو وہاں اس طرح کی باتیں کرتا کہ کوئی ایسا راستہ نکالا جائے کہ اخوان جیل کے اسلحے پر قبضہ کرلیں۔ جیل سے باہر آجائیں اور انقلاب لائیں۔ جیل کی بامشقت زندگی ختم کرنے کا یہ واحد طریقہ ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ کیپٹن عبدالباسط بنا اپنے سگے بڑے بھائی حسن البناء کی زندگی میں بھی الاخوان المسلمون سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ مگر ایک روز میں نے اُس سے پوچھ ہی لیا: ''یہ سب ہوگا کیسے؟'' اُس نے جواب دیا: ''میں ایک پلٹن کا کمانڈر ہوں۔ اپنی خدمات اور اپنی پلٹن کا سارا اسلحہ اخوان کے سپرد کردوں گا۔ بہرحال کچھ ہونا چاہیے کیونکہ اخوان پر بے پناہ مظالم ٹوٹ رہے ہیں۔'' میرے ذہن میں کیپٹن کی بات سُن کر جمال ربیع کا منصوبہ گونجنے لگا۔ معروف خضری کی آواز کانوں سے ٹکرائی: ''یہ اخوان کے قتل کی سازش ہے۔ پھر وہ جیلوں میں بچیں گے نہ جیل سے باہر۔'' میں نے اُس سے کہا: ''ہم آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں' لیکن ہمارا خیال ہے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کردیا اور ہماری ذمہ داری جیل میں داخل ہونے کے بعد ختم ہوگئی۔ اب ہمیں کچھ اور نہیں کرنا۔ کسی کا دل چاہتا ہے تو وہ شوق سے کرتا پھرے۔''

اس کے کچھ عرصہ بعد اس کی پلٹن کہیں اور منتقل کر دی گئی۔ ادھر ایک تبدیلی یہ آئی کہ یہاں موجود اخوان کے سرکردہ رہنما دوسری جگہوں پر منتقل کر دیئے گئے۔ قتل کا منصوبہ اُس وقت تو کامیاب نہ ہوسکا' مگر 1957ء میں لیمان طرۃ جیل کے اندر ایک قتلِ عام ہو ہی گیا..... اُس وقت ایک افسر ہوا کرتا تھا۔ کیپٹن یا لیفٹیننٹ رینک کا۔ اس کا نام تھا عبداللہ ماہر۔ اسی جیل میں پانچ یہودی نوجوان تھے جو کسی جاسوسی سکینڈل میں سزا بھگت رہے تھے۔

عبداللہ ماہر کا اُن سب سے عجیب نوعیت کا تعلق تھا۔ وہ اُن کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا۔ اُن کا کھانا گھر سے آتا' جو انہیں پہنچا دیا جاتا' حالانکہ اِس جیل میں کسی قیدی کو یہ سہولت نہ مل سکتی تھی۔ ان کی کئی ضرورتیں اِس طرح پوری ہو جاتی تھیں۔ ایک یہودی کی بہن بھی آتی جاتی تھی۔ اُس سے بھی عبداللہ ماہر بہت قریب تھا اور اُس کا تعلق ایسا ہوگیا تھا کہ جیل کے تمام قیدی واقف ہوگئے تھے۔ رفتہ رفتہ اُس فوجی افسر نے یہ وطیرہ بنا لیا کہ موقع بے موقع اخوان کو چھیڑتا' اشتعال دلانے کی کوشش کرتا اور ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتا کہ بات آگے بڑھ کر مار پیٹ تک پہنچ جائے۔ جیل کے ذمہ دار اُسے تو نظر انداز کر دیتے اور اخوان کو سزا دیتے۔

ایک بار کچھ اخوان نوجوانوں نے اُس کی اور اُس کے ساتھی افسر کی حرکتوں سے تنگ آ کر سختی سے جواب دیا اور کہا کہ اب وہ مزید برداشت نہیں کریں گے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ اُس وقت وہاں اخوان کے رہنما تھے ہی نہیں' صرف نوجوان تھے' جنہیں قابو میں کرنے والا وہاں کوئی نہ رہ گیا تھا۔ چنانچہ اُن افسروں سے اُن کی ہاتھا پائی ہو گئی۔ دوسرے قیدیوں نے بیچ بچاؤ کرایا اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ اخوان کی سزاؤں میں اضافہ ہوگیا۔ مگر عبداللہ ماہر اور اُس کا نائب افسر برابر فضا کو مسموم کرنے کی کوشش کرتے رہے اور کسی نہ کسی حیلے بہانے چھیڑ چھاڑ شروع کر دیئے۔ زیادہ تر اخوان قید بامشقت کاٹ رہے تھے۔ انہیں ایک پہاڑ پر لے جا کر اُن سے پتھر تڑوائے جاتے۔ ایک دن اُن کے کانوں میں یہ بھنک پڑی کہ جب پہاڑ پر جائیں گے تو انہیں گولیوں سے اُڑا کر مشہور کر دیا جائے گا کہ وہ بھاگنے کی کوشش میں مارے گئے یا یہ کہ وہ حکم عدولی کر رہے تھے۔ بہرحال اخوان اُس دن اپنی کوٹھڑیوں سے باہر نہ نکلے اور مطالبہ کیا کہ وہ اپنے وکیل کو بُلا کر یہ اطلاع اُس کے نوٹس میں لائیں گے۔ اُن ظالموں نے اِس اطلاع کی تردید کرنے کی بجائے انہیں کوٹھریوں ہی میں بھون ڈالا۔ اکیس اخوان موت سے ہمکنار ہوئے اور اتنے ہی زخمی۔

یہ کھلی حقیقت ہے کہ جب وہ لوگ قید خانے میں تھے اور اُن کی سرزنش کرنا ہی تھی تو اور بھی طریقے اختیار کیے جاسکتے تھے' مثلاً یہ کھانا پینا بند کر دیا جاتا۔ وہ کب تک اپنی ضد پر اَڑے رہتے' ایک دن ڈھیلے پڑ جاتے۔ لیکن جو کچھ ہوا اور جس طرح ہوا' اُس سے تو یہی نتیجہ نکالا جائے گا کہ یہ طے شدہ سازش تھی' جسے خفیہ ہاتھ کامیاب کراتے رہے۔ اِس خفیہ ہاتھ کا نام جان لینا اتنا اہم نہیں' جتنا یہ سمجھ لینا کہ الاخوان المسلون کا خاتمہ ہی غیرملکی مفاد میں تھا۔ اِس کام کے لیے ہر طرح کے وسائل اختیار کیے گئے' جن میں گھر اُجاڑنا بھی شامل تھا' قتل کرنا بھی' جسمانی تشدد بھی اور ذہنی اذیت میں مبتلا کرنا بھی۔

پھر اسے بھی صرف اتفاق کہہ کر نہیں ٹالا جاسکتا کہ صلاح دہوتی صاحب ہی لیمان طرۃ جیل کے سانحۂ قتل کی تحقیقات پر کیوں مامور کیے گئے۔ اخوان میں یہ عام طور سے مشہور تھا کہ ابتدائی عدالتی تحقیقات میں انہیں مظلوم قرار دیا گیا تھا' مگر جیسے ہی صلاح دہوتی آئے' تحقیق نے نیا موڑ لیا اور اب اخوان مجرم قرار پائے۔ مان لیجیے کہ اِس افواہ میں حقیقت نہ تھی' مگر حالات نے جو رُخ اختیار کیا اور جو فیصلہ کیا اور جو فیصلہ سنایا گیا' وہ تو سب کے سامنے ہے' اُس سے تو افواہ کی صداقت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ مسئلہ صرف اِس حد تک نہ تھا کہ ایک واقعہ ہُوا جس میں اخوان نے حصہ لیا اور افسروں کے ساتھ ہاتھا پائی کی' بلکہ مقصد یہ تھا کہ انہیں کسی بہانے موت کے گھاٹ اتارا جائے۔

لیمان طرۃ جیل کے اِس خون آشام حادثے کے بعد وہاں اخوان کے اہم لوگوں میں سے صرف محمد یوسف ہواش اور محمد زہری سلمان رہ گئے تھے۔ محمد زہری سلمان کا مطالعہ اور ذہنی ساخت اِس طرح کی تھی کہ اُن کے ساتھ اِس موضوع پر بات کرنا مشکل تھا۔ صرف ہواش تھے جو اس لحاظ سے مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ ہم دونوں نے بہت سا وقت اِس غور و فکر میں صرف کیا کہ ''الاخوان المسلمون'' کا ازسرِنو اور بھرپور جائزہ لیا جائے۔ (جاری ہے)

> جیل کے کمانڈر کیپٹن عبدالباسط نے کہا: اخوان پر بے پناہ مظالم ٹوٹ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے اخوان جیل کے اسلحہ پر قبضہ کرلیں' جیل سے باہر آ کر انقلاب لائیں۔ یہ سن کر میرے ذہن میں معروف خضری کی یہ بات آئی کہ یہ اخوان کے قتل کی سازش ہے۔ پھر وہ جیلوں میں بچیں گے' نہ جیل سے باہر!

دعائے مغفرت

حلقہ سرحد جنوبی کے ملتزم رفیق تنظیم جناب محمد عمر (پنج پیر ضلع صوابی) کے والد گزشتہ دنوں وفات پا چکے ہیں۔ رفقاء واحباب سے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

یادوں کی تسبیح

مری صُراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

قاضی عبدالقادر

آگے لکھنے سے قبل دو باتوں کی وضاحت ضرور ہے۔ اول یہ کہ آئندہ جو واقعات بیان ہوں گے' کوشش کروں گا کہ زمانی اعتبار سے وہ صحیح ترتیب سے تحریر کیے جائیں لیکن یادداشت کی کمزوری کی وجہ سے وہ آگے پیچھے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے قارئین کرام معاف فرمائیں تو بہتر ہے' نہ معاف کریں تو ان کی مرضی۔ رع اور درویش کی صدا کیا ہے! دوسری بات یہ ہے کہ آئندہ تحریر کردہ واقعات میں میری معاشی بدحالی کا جو بار بار ذکر ملے گا اس کے لیے تقسیم برصغیر سے قبل کی معاشی حالت کا تھوڑا سا ذکر ضروری ہے۔ چنانچہ اجازت ہو تو چلئے شروع اسی سے کرتے ہیں۔

ہندوستان میں ہماری زندگی بہت آسودہ حال تھی۔ والد صاحب بہت بڑے زمیندار نہ سہی' اوسط درجہ کے زمیندار تو تھے' نمبردار بھی تھے۔ ڈہائی میں کچھ زرعی زمینوں کے علاوہ دو ایک میل دور ایک گاؤں گوسی میں بھی تمام زرعی زمینیں ہماری ہی تھیں۔ وہاں پر جو کچے اور نیم پختہ مکانات بنے ہوئے تھے وہ سب ہماری ہی زمینوں پر تھے۔ وہ لوگ ہماری رعایا کہلاتے تھے۔ بچپن میں ہم پلان بنایا کرتے تھے کہ بڑے ہو کر گاؤں کو ترقی دیں گے۔ اس کا نام ''قادر آباد'' رکھیں گے۔ ڈہائی سے وہاں تک پختہ سڑک تعمیر کرائیں گے۔ ممکن ہوا تو گاؤں تک ریلوے لائن بچھوا کر ریلوے اسٹیشن بھی بنوائیں گے۔ اسکول اور ایک چھوٹا سا اسپتال بھی تعمیر کرائیں گے۔ ہم یہ خیالی پلاؤ پکاتے رہتے تھے۔ ادھر قدرت مسکراتی ہوگی کہ ہمیں اپنی زندگی ہی میں یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک روز یہاں سے ہجرت کر جانا ہے۔ ڈہائی میں بھی مین بازار میں ہماری کئی دکانیں تھیں جو کرایہ پر اٹھی تھیں اور معقول کرایہ آتا تھا۔ نیز مکان کے ساتھ ہی چار دوکانوں کے علاوہ متعدد کچے اور نیم پختہ مکانات تھے جن میں کرایہ دار آباد تھے۔ گھر میں دو تین نوکر ہوتے تھے۔ ایک چودھری انتظام الدین تھے' لمبے تڑنگے' ہاتھ میں ہر وقت لاٹھی! دیگر کاموں کے علاوہ ان کا خاص کام گاؤں گوسی جانا' وہاں کے مسائل حل کرنا اور لگان وغیرہ وصول کرنا ہوتا تھا۔ دو نوکر گھر پر ہوتے تھے' ایک گھر کے اندر کے کام کے لیے اور دوسرا باہر بازار وغیرہ کے لیے۔ گھر میں ہر طرح سے خوشحالی تھی۔ فصل پر گھر کے سال بھر کے خرچ کے لیے گندم' دالیں وغیرہ آ جاتی تھیں۔ عید کے موقع پر رعایا کی طرف سے کئی کلسے (پیتل کا برتن جو گھڑے کے برابر ہی اس جیسا ہوتا تھا) دودھ بطور ''ہدیہ'' بھر کر آ جاتے تھے۔ ایک آدھ اپنے گھر میں استعمال ہوتا تھا اور بقیہ ہم تقسیم کر دیتے تھے۔ ہمارے چچاؤں وغیرہ نے تو اپنی خاصی جائیداد بیچ کر خرچ کر ڈالی تھی جب کہ اس کے برعکس والد صاحب نے مزید اضافہ ہی کیا تھا۔ کیا پتہ تھا کہ اس سب کچھ کو ایک دن چھوڑ جانا ہے۔ والد صاحب کچھ نہ کچھ تجارت بھی کرتے تھے' زمینداروں کی طرح ہاتھ پاؤں توڑ کر گھر میں بیٹھنے والے نہیں تھے۔ جنگ عظیم دوم کے زمانہ میں کئی اشیاء پر راشن کر دیا گیا تھا۔ کپڑے پر بھی راشن تھا۔ ڈہائی میں کپڑے کی دو راشن کی دکانیں تھیں' ایک ہندوؤں کے لیے تھی اور دوسری مسلمانوں کے لیے' جو ہماری تھی۔ گھر میں لوہے کی دو بڑی بڑی تجوریاں تھیں۔ پاکستان جب ہم نے ہجرت کی تو پہننے کے کپڑوں کے علاوہ کچھ اور ساتھ نہ لا سکے۔ جائیداد' زرعی زمینیں' مکانات' بھرا پُرا گھر' سب کچھ وہیں چھوڑ آئے..... سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ!

پاکستان آ کر ہم نے نئے سرے سے زندگی شروع کی۔ تھوڑا بہت پیسہ جو والد صاحب ساتھ لائے تھے' اس سے کاروبار کرنے کو سوچا۔ کراچی میں بندر روڈ (اب ایم اے جناح روڈ) پر جامع کلاتھ مارکیٹ کے برابر کالمین کلاتھ مارکیٹ میں ایک دوکان کرایہ پر لی' جہاں والد صاحب نے کپڑے کا کاروبار شروع کر دیا۔ تجربہ کچھ تھا نہیں' اس لئے دوکان چل نہیں سکی۔ ڈہائی میں کپڑے کی راشن شاپ کا تجربہ تھا مگر راشن شاپ اور عام دوکان میں تجارت کرنے میں بہت بڑا فرق تھا۔ پھر اسے چھوڑ کر گھر کے قریب ہندو کی چھوڑی ہوئی ایک دوکان مل گئی' جو کرایہ پر لی گئی۔ یہ پرویژن اسٹور تھا۔ میرا اسکول دوسری شفٹ میں تھا' اس لئے صبح دوکان پر میں بیٹھتا اور شام کو والد صاحب۔ آمدنی معمولی سی ہو جاتی تھی جس سے گھر کا خرچ بمشکل چلتا تھا۔ والد صاحب کو اس کا انتظار تھا کہ میں میٹرک کر لوں اور کہیں نوکری کر کے آمدنی کا ذریعہ بن جاؤں۔ کچھ عرصہ چل کر یہ دوکان بھی بند ہو گئی..... رع جو بیچتے تھے ''سودا سلف'' وہ دوکان اپنی بڑھا گئے! میں نے تو انڈیا میں صرف اپنا بچپن ہی گزارا تھا' والد صاحب نے تو ایک شاندار لمبی زندگی گزاری تھی' جو نہ صرف آسودہ حال تھی بلکہ خوشی و مسرت سے بھرپور تھی۔ ہر طرف عیش ہی عیش تھا۔ اور اب یہاں چاروں طرف غریبی' بے بسی اور بے کسی اپنا ڈیرہ ڈالے ہوئی تھی۔ ہائے! والد صاحب پر کیا گزرتی ہوگی!..... پھرتے ہیں غم خوار کوئی پوچھتا نہیں! اور رع کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں۔

اے موجِ بلا ہاں ان کو بھی دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں

ہم محلہ رام سوامی کے ایک فلیٹ میں رہتے تھے۔ محلہ رام سوامی اور رنچھوڑ لائن میں فلیٹوں کی زندگی بھی عجیب تھی۔ ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو کمرے کے فلیٹ۔ چلو یہاں تک ہی ہوتا تو ٹھیک تھا مگر ہائے رے ان میں کھٹملوں کی بھرمار..... ایک ڈھونڈو ہزار ملتے تھے..... کھٹمل مار دوا ڈالتے' گرم گرم کھولتا پانی پلنگوں پر ڈالتے۔ وہ مر بھی جاتے' کافی صفایا بھی ہو جاتا..... مگر ان کی پیدائش کی رفتار حیرت انگیز حد تک زیادہ تھی۔ اس وقت تک حکومت کا فیملی پلاننگ کا محکمہ بھی وجود میں نہیں آیا تھا..... اگر کوشش کر کر کے اپنے فلیٹ میں صفایا کر دو تو قریب کے فلیٹ سے ایسے ٹہلتے ہوئے آ جاتے جیسے یہ ان کے باوا جان کا گھر ہے۔ رات کو سونا مشکل ہو جاتا..... ہاتھ آٹو میٹک طریقہ پر ہر کھجلی کی جگہ پر چلتا رہتا اور لوگ ایسے ہائے ہائے کرتے جیسے گا رہے ہوں:

کھٹمل کی ہے بستی' یہ ہے مچھر کا ٹھکانہ
ہائے ہائے ری میری ماں' ہائے ہائے ری میری ماں
جس دیس میں دیکھو کوئی گنجا کوئی کانا
ہائے ہائے ری میری ماں' ہائے ہائے ری میری ماں
کھٹمل کی ہے بستی' یہ ہے مچھر کا ٹھکانا

کھٹمل بہادروں سے دور رہنے کے لیے فلیٹوں کے بیچارے مکین (مرد اور بچے) بلڈنگ کی چھت پر بستر

بچھا کر سو جاتے۔ ہم اوپر تارے گنتے اور خواتین فلیٹ کے اندر مکڑیوں کے جالے۔ چھت کم پڑ جاتی تو نیچے فٹ پاتھ کو صاف کر کے سونے کے لئے بستر بچھا لیے جاتے۔ حد نظر تک سڑک کے دونوں جانب فٹ پاتھ پر بستر ہی بستر نظر آتے۔ ہم کھٹملوں کو ''دعائیں'' دیتے ہوئے کبھی چھت پر سو جاتے کبھی نیچے فٹ پاتھ پر۔ ایسی بلندی ایسی پستی! اللہ اکبر!!

ایک روز ہم سو رہے تھے کہ بھائی جی (والد صاحب کو ہم ''بھائی جی'' کہا کرتے تھے) نے ہمیں یہ کہتے ہوئے جلدی جلدی جگایا کہ بابو (یہ میرا گھر کا نام ہے) تیرا رزلٹ آ گیا' تو پاس ہو گیا..... ''ہیں' میرا رزلٹ آ گیا' میں پاس ہو گیا؟'' ہم نے ہڑبڑاتے ہوئے پوچھا۔ ''ہاں دیکھ یہ اخبار''..... اور بھائی جی نے اخبار میری طرف بڑھا دیا۔ ہم نے اپنا رول نمبر تلاش کیا اور دیکھا واقعی ہم پاس ہو گئے تھے سیکنڈ ڈویژن میں۔ اس زمانہ میں مارکنگ بہت سخت ہوتی تھی اور فرسٹ ڈویژن کچھ قسمت والوں ہی کو ملتی تھی۔ آج کل کے تھوک کی طرح نہیں۔ یوں سمجھیں فرسٹ ڈویژن (A+) گریڈ اور سیکنڈ ڈویژن مارکس کے لحاظ سے A یا اچھا B گریڈ۔ ہم نے گویا "A" گریڈ حاصل کیا۔ معاف کیجئے' یہ میں آج کے لڑکوں پر رعب ڈالنے کے لیے نہیں کہہ رہا' اس لیے کہ میری معلومات کے مطابق بہت سے لڑکے ہمارے کالم کو بڑے ذوق شوق کے ساتھ پڑھتے ہیں..... اور آج جو ''بڑے'' ہیں وہ بھی کبھی ''لڑکے'' یا ''بچے'' تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ہر بڑے (عمر کے لحاظ سے) آدمی کے اندر ایک بچہ بیٹھا ہوتا ہے۔ اور بوڑھے بچے تو برابر ہوتے ہی ہیں..... تو آپ کی دعا سے اب ہم میٹریکولیٹ یا پرانے الفاظ میں انٹرنس پاس ہو گئے' جو اگلے وقتوں میں بہت بڑی بات تھی۔ اگلے وقتوں کے ہیں ''ہم'' لوگ' ہمیں کچھ نہ کہو!

تیسری قسط میں ہم نے بچپن کی ایک چوری کا حال بیان کیا تھا اور عرض کیا تھا کہ پوری عمر میں ہم نے دو چوریاں کی ہیں۔ چنانچہ ایک کا تو بیان ہو چکا' اب دوسری کا ذکر کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ پھر آپ سے کیا پردہ!..... جہاں ستیاناس وہاں سوا ستیاناس..... لیکن پیشگی واضح رہے کہ یہ چوری بھی پہلی چوری کی طرح ''ضرورت'' ہی کے تحت کی گئی تھی' کوئی شوقیہ وغیرہ نہیں!

ہوا یہ کہ ہمارا جوتا کچھ ٹوٹ کچھ پھٹ گیا تھا۔ گھر کے حالات ٹھیک نہیں تھے کہ نیا جوتا خریدا جاتا۔ والد صاحب سے میری یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ آخر کچھ پیسے بچا بچا کر انہوں نے میرے لئے ایک نیا جوتا خرید ہی ڈالا۔ ہم نیا جوتا پہن کر بہت خوش تھے۔ صبح جوتے خریدے تھے' شام کو بڑی شان سے پہن کر مغرب کی نماز پڑھنے مسجد گئے۔ تجربہ بالکل تھا ہی نہیں۔ جوتے اور وہ بھی نئے' جوتے بجائے مسجد کے اندر رکھنے کے ہم نے باہر ہی چھوڑ دیئے۔ نئے جوتوں کی چمک دمک نے' اور وہ بھی باہر ''لاوارث'' سے پڑے دیکھ کر' کسی جوتا چور کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور وہ انہیں اٹھا کر چمپت ہو گیا۔ ہم نماز پڑھ کر باہر آئے تو دیکھا کہ ہمارے جوتے غائب ہیں۔ بس ہوش ہی تو اڑ گئے' غریبی میں آٹا گیلا اور پھر یہ ڈر کہ اب گھر جائیں گے تو ''کیا خوب'' پٹائی ہو گی۔ ہوش و حواس کو جلدی جلدی مجتمع کیا۔ عقل نے فوراً فیصلہ صادر کیا کہ مسجد میں جو بقیہ جوتے پڑے ہیں' جلدی سے کوئی اپنے ناپ کا پہن کر رفو چکر ہو جاؤ۔ بعد میں اصل مالک کو چکر آئیں تو وہ انہیں رفو کرتا رہے۔ جوتوں میں پاؤں یا پاؤں میں جوتے ڈال کر ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور گھر آ کر دم لیا۔

یہ بزم مے ہے یہاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود ''پہن لے پاؤں میں جوتا'' اسی کا ہے

قربان جاؤں نظیر اکبر آبادی کے کہ انہوں نے شاید ہمیں بھی ''جوتا چوروں'' کی صف میں شامل کر دیا۔ ''آدمی نامہ'' میں کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں' میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآں اور نماز یاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

تو میرے مہربان' قدر دان' قارئین کرام مجھے برا بھلا کہنے کے بجائے ذرا میرے حالات کو بھی تو دیکھیں' جن سے اس وقت ہم گزر رہے تھے۔ میرے والد کی طرف سے ہماری خیر جوتے تو ہم پہن کر گھر آ گئے۔ یہ کوئی جوتوں کی دوکان سے تو پہنے نہیں تھے کہ پورے ناپ کے ہوتے' گھر آ کر دیکھا تو پاؤں میں کچھ بڑے تھے یا پھر پاؤں کچھ چھوٹا تھا۔ چلتے چلتے ہوئے پاؤں کچھ نکل نکل سے جاتے تھے۔ ہم نے اندر تھوڑی سی روئی بھر دی لیکن اس سے انگلیاں معانقہ کرنا شروع کر دیتی تھیں' اس لیے یہ ترکیب نہیں چلی۔ دوسرے دن ہم نے انہیں پہن کر اسکول جانا شروع کر دیا مگر ڈر یہ لگا رہتا تھا کہ کہیں اصلی مالک نے پہچان لیے تو اپنا کیا بنے گا۔ اس تصور ہی سے لرز لرز جاتا تھا..... چلتے چلتے کسی نے اگر نیچی نگاہ سے دیکھا بھی تو ہم سمجھتے تھے کہ شاید ہمارے جوتوں پر ہی اس کی نظر ہے' سو ہماری روح پرواز کے لئے پھڑپھڑانا شروع کر دیتی تھی۔ شکر ہے جلد ہی میٹرک کا نتیجہ آیا' پھر نوکری ملی تو پہلی تنخواہ ہی میں سے ہم نے نئے جوتے خریدے اور وہ پرانے جوتے مسجد میں جہاں سے اٹھائے تھے' بہت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ چپکے سے وہیں ڈال آئے۔ ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ اور رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت!

کہتے ہیں کسی جوتا چور (واللہ میں نہیں) سے کسی شخص نے پوچھا کہ ٹھیک ہے یہ جوتا چوری تو تیرا روزگار ہے' بس تو ایسی ترکیب کوئی بتا کہ میرے جوتے چوری نہ ہو سکیں۔ اس نے مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا کہ بابو جی یہ بھی کون سا مشکل کام ہے۔ مسجد میں جوتوں کے لئے جگہ جگہ لکڑی کے ریک رکھے ہوتے ہیں' آپ ایسا کرو کہ ایک جوتا ایک ریک میں رکھو اور دوسرا ذرا دور کے ریک میں۔ اب ہمارے پاس اتنا وقت تو ہوتا نہیں کہ ایک جوتا اٹھا کر جوڑی کا دوسرا تلاش کرتے پھریں' ہمیں تو اٹھا کر فوراً ہی بھاگنا ہوتا ہے۔ تو اس ترکیب سے آپ کے جوتے ہماری ''تگ و تاز'' سے بالکل محفوظ رہیں گے۔ کہئے کیسی رہی! ہمارے ساتھ رہیں گے تو ایسی ہی ترکیبیں بتائیں گے!

ایک صاحب کا مسجد سے نیا جوتا چوری ہو گیا۔ دوسرے دن وہ دوسری جوڑی پہن کر مسجد گئے اور جوتے کو ٹھیک سجدہ کی جگہ آگے رکھا کہ دیکھیں اب کون مائی کا لال چوری کرے گا۔ سجدہ میں جاتے تھے تو بھی کنکھیوں سے جوتے پر نظر ڈال لیتے تھے۔ اتنے میں کوئی صاحب آئے اور ڈانٹنے کے انداز میں چلا کر کہنے لگے کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے' ذرا شرم نہیں آتی' مسجد کے آداب کا مطلق خیال

(باقی صفحہ 19 پر)

رنچھوڑ کے فلیٹوں کی زندگی بھی عجیب تھی۔ ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو کمرے کے فلیٹ' اُن میں کھٹملوں کی بھرمار' ایک ڈھونڈو ہزار ملتے تھے۔ اُن کی پیدائش کی رفتار حیرت انگیز حد تک زیادہ تھی۔ غالباً اُس وقت حکومت کا فیملی پلاننگ کا محکمہ وجود میں نہیں آیا تھا

''مرمت'' کا ذرا تصور تو کریں۔ میں یہ نہ کرتا تو پھر کیا کرتا؟ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے کوئی اچھا کام کیا' ٹھیک ہے برا کام کیا لیکن اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟ پہلی چوری روپوں کی بھی ''نظریہ ضرورت'' کے تحت کی تھی اور یہ دوسری چوری کے پیچھے بھی ''نظریہ ضرورت'' کارفرما تھا۔ جب سپریم کورٹ ''نظریہ ضرورت'' کے تحت ہر ناجائز کام کو جائز قرار دے سکتی ہے تو آپ اس غریب کو ''نظریہ ضرورت'' کا الاؤنس کیوں نہیں دیتے.....

خرد کا نام رکھ دیا جنوں' جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

.....اور .....

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں ہے

حلوائی کی دوکان اور نانا جی کی فاتحہ

ارشاد احمد حقانی

پاکستان کی افسوسناک سیاسی تاریخ اور مختلف سول اور فوجی حکومتوں کی غیر مثالی کارکردگی پر نظر رکھنے والوں کے لیے اس خبر میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے دوسرے دور حکومت میں ستمبر 1996ء کے آس پاس 481 اہم شخصیات کو اپنے خصوصی اختیارات کے تحت اسلام آباد میں مختلف سائزوں کے پلاٹس الاٹ کیے۔ ہمارے ہاں ہر دور کی حکومت نے اپنے مصاحبین کو نوازا ہے اور یہ نوازش عوامی خزانے کی قیمت پر کی گئی ہے۔ جو فہرست پارلیمنٹ میں پیش کی گئی ہے اس پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ زمین ان لوگوں کو دی گئی ہے جو حکومت کے مصاحبین میں شامل تھے اور ویسے بھی اہم عہدوں پر فائز تھے۔ قدرتی طور پر اس فہرست میں وزیر اعظم کے ذاتی سٹاف اور اس وقت کے صدر سردار فاروق احمد خان لغاری کے ذاتی سٹاف کے لوگ نمایاں ہیں۔

بعض اطلاعات میں کہا گیا ہے کہ صدر لغاری نے کچھ پلاٹس اپنے مصاحبین اور عملے کے لوگوں کو اپنے ذاتی کوٹے سے الاٹ کیے۔ یہ بات پوری طرح درست نہیں ہو سکتی کیونکہ اسلام آباد کے مختلف سیکٹروں میں پلاٹوں کے الاٹمنٹ کے احکام صرف ملک کا چیف ایگزیکٹو (اور اگر وہ خاتون ہو تو ملک کی چیف ایگزیکٹو) ہی کر سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مختلف ناموں پر ایوان صدر اور ایوان وزیر اعظم میں اتفاق رائے پیدا ہو جائے۔ یہ کہنے کی تو شاید ضرورت نہیں کہ جو پلاٹ تین تین لاکھ یا اس سے کم قیمت میں دیئے گئے ان کی بازار کی قیمت لاکھوں میں تھی اور جن پر نوازشات کی بارش کی گئی انہوں نے آن واحد میں بہت بڑا منافع کما لیا۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ پلاٹوں کی الاٹمنٹ کا کاغذ پر کوئی فارمولا یا طریق کار تو درج ہو گا اور اس غیر قانونی نوازش کو قانون کا لبادہ اوڑھانے کی کوشش بھی ہوئی ہو گی لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے کہ یہ پلاٹ ایک مفہوم میں سیاسی رشوت کے طور پر دیئے گئے اور ان لوگوں کو نوازا گیا جو حکمرانوں کے قریب تھے۔

پاکستان کی معاشی اور معاشرتی تاریخ پر نظر رکھنے والے اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ ملک کے وسائل کو ہمیشہ مخصوص طبقات کو نوازنے کے لیے ہی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اسلام کی واضح اور دوٹوک تعلیم ہے کہ "دولت اور وسائل کو تمہارے اغنیاء کے درمیان ہی گردش نہیں کرتے رہنا چاہیے"۔ سرکاری خزانہ بیت المال ہی ہوتا ہے اور بیت المال کے وسائل سے استفادہ کرنے کے لیے اسلام میں بڑے سخت احکام ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ "کوئی حاکم بیت المال سے اس سے زیادہ استفادہ نہ کرے جتنا یتیم کے مال کے نگران کو کرنے کا حق ہے"۔ گویا ریاستی وسائل اسلام کے نقطہ نظر سے حکومتوں کے پاس ایک مقدس امانت کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کو اپنے مصاحبین اور حاشیہ نشینوں میں بانٹنا بلکہ لٹانا اسلام کی تعلیمات کی صریحاً نفی کے زمرے میں آتا ہے لیکن افسوس کہ پاکستانی حکمرانوں میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا کماحقہ احساس موجود نہیں۔ وہ ایک دفعہ اقتدار پر آنے کے بعد اپنے آپ کو تمام ریاستی وسائل کا مالک سمجھتے ہیں اور ان وسائل کا استعمال کرتے وقت معاشی اور معاشرتی انصاف کے تقاضوں کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتے' اسی پالیسی کا نتیجہ ہے کہ پاکستان میں عوام کی غالب اکثریت محرومی کا شکار ہے جبکہ ایک محدود طبقہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہا ہے۔ کسی بھی فرد یا طبقے کو اپنے حق سے زیادہ اس وقت ملتا ہے جب دوسرے افراد اور طبقوں کو محروم رکھا جاتا ہے۔ اقبال نے بالکل درست کہا ہے کہ:

مے کدے میں ایک دن ایک رند زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے
کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زرّیں قبا
اس کے آب لالہ گوں کی خون دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے' مرد غریب و بے نوا
مانگنے والا گدا ہے' صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے' میر و سلطاں سب گدا!

پاکستانی معاشرے میں جو غیر معمولی محرومی ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ کچھ طبقات اپنے حق سے زیادہ وصول کر رہے ہیں۔ اسلام جس عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے یہ اس کی صریحاً نفی ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو معاشی اور معاشرتی انصاف کے نعرے پر اقتدار میں آئی تھیں لیکن انہوں نے بھی "طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی" کا راستہ اپنایا اور ان کے طرز حکمرانی میں معاشی انصاف کے لیے کام کرنے کی کوئی تڑپ ہمیں دکھائی نہ دی۔ ان کے علاوہ بھی جو حکمران یہاں آئے ہیں ان کے معمولات بھی ایسے ہی رہے ہیں۔ گویا ایک بالادست طبقہ ہے جو ہر دور میں حکمرانوں کے قریب ہوتا ہے اور ان سے ریاستی وسائل میں سے ناجائز حصہ وصول کرتا ہے۔ ہمارے ایک اور وزیر اعظم میاں نواز شریف اپنے دور حکمرانی میں اپنے مصاحبین کو نوازنے میں مصروف رہے۔ مختلف ادوار میں انہوں نے زمین کے پلاٹوں سمیت طرح طرح کے سرکاری وسائل من مانے طریقے سے استعمال کیے اور سرکاری نوازشات کی ریوڑیاں اپنے پسندیدہ لوگوں میں تقسیم کیں۔

پاکستان میں جس بڑے پیمانے پر بالائی طبقہ سرکاری نوازشات سے متمع ہو رہا ہے اس کی ایک طویل داستان ہے اور اس کی بے شمار جہات ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک کتاب: "Who Owns Pakistan" کے نام سے شائع ہوئی تھی' اس کا مطالعہ پاکستان میں موجود امارت اور غربت کی انتہاؤں کے حقیقی اسباب سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اسی پالیسی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں برسر اقتدار آنے والے حکمرانوں میں عدل اجتماعی کے تصور سے کوئی حقیقی وابستگی نہیں پائی جاتی اور انہیں ہرگز اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ وہ ریاستی وسائل انصاف کے ساتھ عوام الناس کو فائدہ پہنچانے کے لیے استعمال کریں۔ یہ ایک مفہوم میں ہماری جمہوری ناپختگی کا بھی ایک اظہار ہے کہ حکمران اپنے آپ کو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتے۔ امر

> برسر اقتدار آنے کے بعد ہمارے حکمران اپنے آپ کو تمام ریاستی وسائل کا مالک سمجھتے ہوئے معاشی اور معاشرتی انصاف کو پرکاہ برابر اہمیت نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان کی اکثریت محرومی کا شکار ہے اور ایک محدود طبقہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں آج تک حکمرانوں کی جواب دہی کا کوئی نظام وجود میں نہیں لایا جاسکا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر حکمران ریاستی وسائل کے استعمال میں مادر پدر آزادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے تو جوابدہ سمجھتا ہی نہیں۔ اسے خلق کی بھی کوئی شرم نہیں ہوتی کیونکہ اسے معلوم ہے کہ پاکستان میں حکمرانوں کے احتساب کا کوئی نظام موجود نہیں۔ اس صورتحال پر دکھ اور کرب کا اظہار ہی کیا جاسکتا ہے قائداعظم نے پاکستان کا جو تصور دیا تھا اس میں اس طرح اشرافیہ کی بالادستی کا کوئی مقام نہیں تھا لیکن ہم نے نہ صرف قائداعظم کے بیان کردہ تمام اصولوں اور آدرشوں کو پس پشت ڈال دیا بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی بھی کوئی پرواہ نہ کی۔

پاکستانی حکمرانوں کے عدم احتساب اور مادر پدر آزاد ہونے کی ایک مثال مجھے یاد آرہی ہے۔ اکتوبر 1987ء میں مجھے جنرل ضیاء کے ساتھ ترکی کے سفر پر جانے کا موقع ملا (صدر کی ٹیم میں موجود صدر پرویز مشرف بھی ایک رکن کے طور پر شامل تھے۔ صدر ضیاء نے ترکی میں

> نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی حاکم بیت المال سے اِس سے زیادہ استفادہ نہ کرے جتنا یتیم کے مال کے نگران کو کرنے کا حق ہے

خود ہمیں واقعہ سنایا کہ اس نے ایک بڑے مقامی اخبار میں پہلے صفحے پر ایک بچے کی تصویر دیکھی تو میں نے ترکی کے صدر کنعان ایورن سے یہ جاننا چاہا کہ یہ تصویر کیوں چھاپی گئی ہے لیکن وہ صدر ضیاء الحق کو ٹال گئے۔ ایک دو روز کے بعد انہوں نے پھر وہی تصویر دیکھی اور ترک صدر سے اس کی اشاعت کا پس منظر معلوم کرنے کی کوشش کی۔ جناب کنعان ایورن نے جنرل ضیاء الحق کو بتایا کہ یہ بچہ خون کے سرطان میں مبتلا ہے جس کا علاج بیرون ملک ہی ہوسکتا ہے۔ اس اخبار نے اس بچے کے لیے فنڈ جمع کرنے کی اپیل کی ہے جس پر صدر ضیاء الحق نے جناب کنعان ایورن سے دریافت کیا کہ آپ کی حکومت کیوں اس بچے کے علاج کے اخراجات ادا نہیں کرتی۔ کنعان ایورن کا جواب تھا ''ہمارے ملکی قانون میں کسی فرد کی امداد سرکاری خزانے سے کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں نے بھی اس فنڈ میں کچھ چندہ دیا ہے لیکن ابھی سفر وغیر کے اخراجات کا بندوبست نہیں ہوسکتا'' جس پر جنرل ضیاء نے وہیں اپنے میزبان سے کہا کہ ''اس بچے کو امریکہ لے جانے اور لانے کے جملہ اخراجات ہماری قومی ائیرلائن پی آئی اے برداشت کرے گی اور علاج کے دوسرے اخراجات میں جو بھی کمی باقی ہے وہ میں پوری کردوں گا''۔ صدر ضیاء الحق نے اگرچہ ایک نیک کام کیا اور انسانی ہمدردی کا مظاہرہ کیا لیکن دونوں صدور کی گفتگو سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ میزبان ملک کے صدر کے ہاتھ ان کے ملکی قانون نے باندھے ہوئے تھے جبکہ ہمارے صدر کسی کے آگے جوابدہ نہیں تھے اور جہاں جو چاہے خرچ کرسکتے تھے۔

مغربی دنیا میں حکمرانوں کے احتساب کا ایسا حیرت انگیز اور بے مثال انتظام موجود ہے کہ وہاں کوئی بڑے سے بڑا حاکم بھی ریاستی وسائل کو اپنی من مرضی سے استعمال نہیں کرسکتا۔ بدقسمتی سے پاکستان میں حکمران طبقہ سول ہو یا فوجی اپنے آپ کو ہر قسم کے قوانین سے بالاتر سمجھتا ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے جو 481 پلاٹ اپنے منظورِ نظر لوگوں میں تقسیم کیے ان کی مالیت اس وقت بھی لاکھوں کروڑوں میں تھی اور اس سے خزانہ عامرہ کو جو نقصان ہوا وہ بھی کچھ ایسا کم نہ تھا لیکن اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ حکمرانوں کا فلسفہ حکمرانی کیا ہے' معاشی انصاف کے نصب العین سے ان کی وابستگی کس پائے کی ہے اور من مانے طریقے سے قانون کو توڑ مروڑ دینا ان کے لیے کس قدر آسان ہے۔ یہ لوٹ مار بہت پہلے بند ہو جانی چاہیے تھی لیکن اب بھی بڑے لوگوں کو نوازنے کا نامناسب عمل پوری طرح رک جانا چاہیے چودھری شجاعت حسین نے آج کہا ہے کہ میں نے کوئی قرضہ معاف نہیں کرایا۔ ہم کسی فرد خاص کی بات نہیں کرتے کیونکہ اس کے معاملات کے بارے میں ایک سے زیادہ ورشن موجود ہوسکتے ہیں لیکن اس حقیقت کی صداقت سے چودھری صاحب بھی انکار نہیں کرسکتے کہ پاکستان میں ایسے بااثر لوگوں کی کمی نہیں ہے جنہوں نے جواز کے بغیر اپنے ذمے واجب الادا قرضے معاف کرائے ہیں۔

صدر مشرف نے آج کہا ہے کہ ڈونرز کانفرنس میں مطلوبہ امداد نہ ملی تو ہم ٹیکس لگا کر بحالی کے کام کے لیے وسائل فراہم کریں گے۔ ایسا ضرور ہونا چاہیے لیکن انصاف کے ساتھ۔ ملک کی آبادی کی اکثریت مزید ٹیکسوں کے بار کی متحمل نہیں ہوسکتی لیکن کچھ طبقے ایسے ہیں جو اسراف و تبذیر کی زندگی گزار رہے ہیں ان پر بحالی کے لیے ضرور ٹیکس عائد کیے جانے چاہئیں۔ ہمیں امید ہے کہ ریلیف کے کام کے لیے رقم جمع کرنے کی غرض سے نئے ٹیکس لگانے کی ضرورت پیش آئی تو یہ بار انہی لوگوں پر ڈالا جائے گا جو اس کے متحمل ہوسکتے ہیں اور جنہوں نے آج تک پاکستان کے وسائل سے بے پناہ تمتع کیا ہے۔ بحالی کے کام میں اپنا حصہ ڈالنا بالائی طبقے کی ذمہ داری ہے جس کے بہت کم شواہد تاحال سامنے آئے ہیں۔ آخر کبھی تو پاکستان میں محروم اور مراعات یافتہ طبقات کے ساتھ مختلف سلوک کی روایت اور اس وقت حلوائی کی دکان اور نانا جی کی فاتحہ کا جو معمول مروج ہے' اسے ختم ہونا چاہیے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ)

❁ ❁ ❁

لمحہ فکریہ

باطل نظام سے آزادی کی جدوجہد

(مراسلہ: ابن صالح' لاہور)

حالیہ تباہ کن زلزلہ کے نتیجہ میں آزاد کشمیر کے ایک حصہ اور اس سے ملحقہ علاقہ میں اندوہناک ہلاکتوں اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات وواقعات کی سنگینی سے کم وبیش پوری قوم دل گرفتہ ہے اور حتی الامکان زلزلہ زدگان کی مالی اور اخلاقی امداد میں مصروف ہے۔ مختلف مذہبی اور دینی حلقے جہاں متاثرین کو فوری طبی امداد اور دیگر ضروریات بہم پہنچانے میں پیش پیش ہیں وہاں کسی درجہ میں یہ احساس دلانے میں بھی مصروف ہیں کہ یہ ناگہانی آفت اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑی تنبیہہ ہے اور ہمیں انفرادی اور اجتماعی طور پر اللہ سے معافی مانگنی چاہیے اور اپنے اعمال کی درستگی پر توجہ دینی چاہیے۔ اس ضمن میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا یہ دیرینہ موقف رہا ہے کہ ہم نے بحیثیت قوم پاکستان میں مروّج غیر اسلامی نظام کو اختیار کر کے اسلام سے انحراف کیا ہے اور اللہ سے بدعہدی ہی نہیں سرکشی کر رہے ہیں اور اگر ہم نے یہاں اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کے لیے ایک قیادت میں متحد اور منظم ہو کر جدوجہد نہ کی تو ہمیں جلد یا بدیر اس کی سزا مل کر رہے گی۔ اور حالیہ تباہی اس اجتماعی سزا کی پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ یہ تو ہے ہمارا اللہ کے ساتھ معاملہ لیکن زلزلہ سے متاثر ہونے والوں کی بھی یہ ایک امداد ہے کہ انہیں اس باطل نظام کے چنگل سے آزاد کرایا جائے۔ ان کی فوری امداد تو بلاشبہ یہی ہے جو انہیں فراہم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن اگر ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ساری نیکی بس یہی ہے کہ ان کے لیے مکانات تعمیر کیے جائیں' ہسپتال' سکول وغیرہ بنائے جائیں تو اس کا مطلب ہوگا گویا ہم نے اس سانحہ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا' اور اس باطل نظام کے ہوتے ہوئے صحیح معنوں میں اُن کے ساتھ بھی کوئی بڑی نیکی نہیں کریں گے۔

دورۂ ترجمہ قرآن سے

دل و دماغ روشن ہو گئے ☆ مقاصدِ زندگی سے آگاہی ہوئی

تنظیم اسلامی کراچی شمالی کے زیر اہتمام شرکاء دورۂ ترجمہ قرآن کے تاثرات جاننے کے لیے منعقدہ پروگرام کی روداد

دورۂ ترجمہ قرآن کے شرکاء کے تاثرات جاننے کے لیے 9 نومبر' صبح گیارہ بجے نوبل پوائنٹ شادی ہال میں پروگرام ہوا۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض اس تنظیم کے نقیب اسرہ جناب طارق پیرزادہ نے انجام دیئے۔ سب سے پہلے جناب اسامہ انوار علی کو تلاوت کلام پاک کی دعوت دی گئی جنہوں نے سورۃ الکہف کا آخری رکوع تلاوت کیا۔ اس کے بعد احباب باری باری اسٹیج پر آئے اور دورۂ قرآن کے اپنے تاثرات بیان کیے۔

سب سے پہلے جناب محمد شاہد تشریف لائے۔ ان کا شعبہ انٹرنیشنل مارکیٹنگ ہے۔ نوجوان آدمی ہیں۔ وہ اس پروگرام کے بارے میں بینرز دیکھ کر تشریف لائے۔ انہوں نے اسے ایک بہترین محفل قرار دیا' جس کے ذریعے قرآن کی اپنی زبان کے محاوروں میں سمجھنے کا موقع ملا۔ ان کے بعد جناب فضل باری نے اپنی باری لی۔ وہ پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں۔ گزشتہ 3 سال سے اس پروگرام میں شرکت کر رہے ہیں لیکن سب سے زیادہ شرکت اس سال رہی ہے۔ اس پروگرام میں شرکت کے نتیجے میں قرآن سے ان کی قربت بڑھی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن کا فہم حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ جناب ممتاز احمد کا تعلق تعلیم و تدریس سے ہے اور کوچنگ سنٹر چلاتے ہیں۔ اس پروگرام سے ان کا تعارف بینر کے ذریعے ہوا۔ روایتی مذہبی گھرانے سے تعلق ہے۔ پروگرام میں شرکت سے قبل باجماعت نماز تسلسل کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے' لیکن اب الحمد اللہ اس میں باقاعدگی آ گئی ہے۔ سود کے گناہ کی سنگینی سن کر فلیٹ پر جو قرض لیا تھا اسے فوری طور پر ادا کیا ہے۔

جناب غوث محی الدین پیشہ کے اعتبار سے بینکر ہیں۔ اس پروگرام میں شرکت کے نتیجے میں انہوں نے ملازمت سے استعفیٰ کا فیصلہ کر لیا ہے۔ پردہ پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا ہے۔ اجتماعیت کے ساتھ جڑنے کا احساس پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کے لیے میں تنظیم اسلامی ہی کو موزوں سمجھتا ہوں۔ ساری زندگی قرآن کا پورا ترجمہ نہیں پڑھ سکا تھا لیکن یہاں ایک ماہ میں ممکن ہو گیا۔ داڑھی رکھنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ جناب نعیم احمد صاحب اسٹیٹ بینک میں ملازم ہیں۔ یہ بھی بینر دیکھ کر تشریف لائے۔ انہوں نے بتایا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ پندرہ دن آٹھ رکعت تک اپنے آپ کو محدود رکھوں گا جبکہ آخری پندرہ دنوں میں پورے پروگرام میں شرکت کروں گا' لیکن اس پروگرام میں افادیت کے پیش نظر میں نے باقاعدگی کے ساتھ پورے پروگرام میں شرکت کی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ پورے قرآن کا ترجمہ اور اس کی تشریح سننے کا موقع ملا۔ اس طرح قرآن کا جو فہم حاصل ہوتا ہے وہ ترجمہ پڑھ کر حاصل نہیں ہوتا۔ تنظیم میں شمولیت کا ارادہ ہے۔

جناب آصف علی خان کا قالینوں کا کاروبار ہے' لہٰذا اکثر و بیشتر غیر ملکی سفر ہوتے ہیں۔ بچپن ہی سے دینی ذہن ہے گو کہ گھر کا ماحول کوئی خاص دینی نہیں۔ اس پروگرام کی شرکت سے پہلے اندھیرا تھا' اب روشنی محسوس کرتے ہیں۔ جناب قاضی نعمان بن سیف کا تعلق اب تک کیبل اور انٹرنیٹ کے کاروبار سے رہا ہے۔ اب انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے معاشرے میں بدی کے فروغ میں کردار ادا کیا ہے۔ اس سے قبل وہ نماز تراویح کی ادائیگی کے بعد سے سحری کے وقت تک ٹی وی دیکھا کرتے تھے' اس عادت سے پیچھا چھڑانے کے لیے دورۂ قرآن میں شرکت کا پروگرام بنایا۔ اب ٹی وی دیکھنا بند کر دیا ہے اور قرآن کو صحیح طور پر پڑھنے کے لیے پروگرام بنایا ہے۔ ایم بی اے کرنے کا ارادہ ہے۔

جناب محمد اظہر شیخ شہباز گروپ آف انڈسٹریز میں ایکسپورٹ آفیسر ہیں۔ پہلی مرتبہ 1998ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ختم قرآن کے پروگرام میں شرکت کی تھی۔ اخباری اشتہار کے ذریعے اس پروگرام کی اطلاع ملی۔ پروگرام میں از اول تا آخر شرکت کی۔ ان کے پاس کریڈٹ کارڈ ہے' لیکن اب کوئی ٹرانزیکشن نہیں کر رہے۔ ارادہ یہ ہے کہ بقایا رقم کے خاتمے کے بعد اس کریڈٹ کارڈ کو پھاڑ دیں۔ معاملات کے بارے میں فکر پیدا ہوئی ہے۔

جناب ممتاز الدین ہمارے بہت پرانے احباب میں سے ہیں۔ ان کے گھر پر ایک ہفتہ وار حلقۂ قرآنی قائم ہے اور منتخب نصاب کے دروس کا سلسلہ جاری ہے۔ انہوں نے کہا کہ دورۂ ترجمہ قرآن کا اثر ناگزیر ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ قرآن کو ترجمے کے ساتھ پڑھیں اور اس کے پیغام کو سمجھیں۔ جناب نسیم برنی پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں۔ اس پروگرام میں شرکت سے قرآن فہمی میں سہولت ہوئی ہے۔ جواب دہی کا احساس پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انسان کو چاہیے کہ روزانہ قرآن کی تلاوت کو اپنا معمول بنالے' کیونکہ قرآن سے تعلق منقطع ہو جائے تو انسان اندھیرے میں بھٹکنے لگتا ہے۔ قرآن حکیم میں موجودہ اور آئندہ کے مسائل کا حل موجود ہے۔ مرزا رئیس بیگ گزشتہ دو سال سے اس پروگرام میں شرکت کر رہے ہیں۔ دل و دماغ روشن ہو گئے ہیں اور یہ احساس پیدا ہوا کہ گزشتہ زندگی ضائع کی۔ پروگرام کے دوران اپنے اندر پائی جانے والی برائیوں کو نوٹ کیا ہے اور انہیں دور کرنے کا ارادہ ہے۔ جناب محمد روبیل خان نے بتایا کہ اس پروگرام میں شرکت کے نتیجے میں اپنی غلطیوں کو سدھارنے اور گزشتہ گناہوں پر توبہ کا موقع ملا ہے۔ زندگی کے اصل مقصد سے آگاہی ہوئی۔

ان کے بعد جو بزرگ تشریف لائے ان کا اسم گرامی اظہر جمیل ہے اور یہ حکمت کے شعبے سے منسلک ہیں۔ انہیں اس پروگرام کی اطلاع جناب غوث محی الدین کے ذریعے ملی۔ 29 ویں شب کے پروگرام میں شرکت کی۔ انہوں نے کہا کہ اس تنظیم میں لوگوں کو شمولیت اختیار کرنا چاہیے۔ انہوں نے تجویز دی کہ عربی کو نصاب تعلیم میں شامل کرنے کے لیے تحریک چلنی چاہیے نوجوان سید اسحاق علی کا تعلق بریلوی مکتبہ فکر سے ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس پروگرام میں شرکت سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ کتاب سچی اور باقی سب جھوٹ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کا راستہ سیدھا راستہ ہے۔ جناب سید عامر گزشتہ پانچ سال سے اس پروگرام کے لیے ساؤنڈ سسٹم پر کام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اس شعبے سے گزشتہ 16 سال سے منسلک ہیں اور ہر قسم کے فنکشن میں آتے جاتے رہے ہیں' لیکن گزشتہ دو سال سے سخت بے چینی محسوس کر رہے ہیں اور دل بالکل نہیں لگتا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رجوع کے لیے دعا کی۔ اس کے بعد سنیکس سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔

آخر میں پروگرام کے مترجم جناب عامر خان کو گفتگو کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے شرکاء سے کہا کہ دین کے تقاضوں کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ اب یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ اقامت دین کے لیے کس اجتماعیت سے جڑا جائے۔ تنظیم اسلامی کی دعوت اور اس کا طریقہ کار بھی آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ (از: محمد سمیع)

☆ کیا اسلامی حکومت جبری اقدامات کے ذریعے محصول اکٹھا کرسکتی ہے؟
☆ وسیلہ بنانا کس حد تک جائز ہے؟ ☆ کیا امریکی تہذیب دجالی فتنہ ہے؟
☆ کیا وہ شخص درس قرآن دے سکتا ہے' جو دینی مدرسے سے فارغ التحصیل نہ ہو؟

قارئین ندائے خلافت کے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

سوال: ہمارے معاشرے میں ہندوؤں کی رسوم اور رواجات پائے جاتے ہیں۔ خاص طور پر شادی وغیرہ کے معاملات میں یہ بہت نمایاں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان کی بجائے اسلامی طریقہ کار کیا ہے؟ (گلزار احمد)

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ اسلام میں نکاح کے لیے ترغیب ہے کہ مسجدوں میں ہو' لڑکی والوں کی طرف سے کسی بھی دعوت کا اہتمام نہیں ہونا چاہیے۔ دعوت کا اہتمام صرف لڑکے کی طرف سے کیا جائے کیونکہ دعوت ولیمہ کی تاکید لڑکے کے لیے آئی ہے' لڑکی والوں کے ہاں دعوت کے حوالے سے ہمیں سنت میں کسی دعوت کا تذکرہ نہیں ملتا۔ دوسرے یہ کہ جہیز کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ اس لیے کہ لڑکی بھی بیٹے کی طرح وارث ہے۔ جب وقت آئے گا' وراثت تقسیم ہوگی تو اسے بھی اپنے والدین کی طرف سے وراثت میں حصہ مل جائے گا۔ بیوی خاوند کی وراثت میں بھی حصہ دار ہے۔ جہیز کا مروجہ تصور ہندووانہ ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ ہندوؤں کے ہاں وراثت میں لڑکی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

سوال: آج کل عام طور پر لوگوں میں وسیلے کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ اگر اسلام میں وسیلہ بنانا جائز ہے تو کس حد تک؟ (نادیہ بی بی)

جواب: ''اردو میں ہم ''ذریعہ کو وسیلہ کہتے ہیں لیکن عربی زبان میں وسیلے کا لفظی ترجمہ ''قرب'' ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جو آیا ہے کہ اللہ کا وسیلہ تلاش کرو' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ قرب کے حصول کا ذریعہ کیا ہے' فرمایا: ﴿وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾ ''اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو' تو اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔ یہ تصور غلط ہے کہ کسی شخص کی خوشنودی اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ ہاں اللہ کا قرب حاصل کرنے میں کوئی شخص آپ کا مددگار ہوسکتا ہے۔ آپ راستہ نہیں جانتے' کوئی راہنمائی کرے' جو راستے کا جاننے والا ہے۔ آپ کو حق کے راستے پر چلائے' آپ کو شریعت کے راستے پر چلائے تو ٹھیک ہے۔ لیکن وسیلے کے یہ معانی نہیں کہ کوئی بزرگ کسی کا نجات دہندہ بن جائے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ احادیث میں سورۃ الکہف کو دجالی فتنے سے بچاؤ کا ذریعہ کہا گیا ہے۔ کیا امریکی تہذیب دجالی فتنہ ہے؟ سورۃ الکہف کی اہمیت کا سبب کیا ہے؟ (عاطف اقبال)

جواب: صرف موجودہ امریکی تہذیب نہیں بلکہ موجودہ مادہ پرستانہ مغربی تہذیب کو دجالی تہذیب کہنا درست ہوگا' جو اس وقت گلوبل ہو چکی ہے۔ ہم بھی اسی تہذیب کے سائے میں رہ رہے ہیں۔ اس تہذیب میں انسان کی نگاہ آخرت سے بالکل ہٹ گئی ہے۔ صرف دنیا ہی کی طرف اس کی ساری توجہ ہے۔ چنانچہ اُس نے دجالیت کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اس موضوع پر سورۂ کہف میں خوب پردے اٹھائے گئے ہیں۔ اس حوالے سے سورۂ کہف کا پڑھنا مفید ہے جو اصل حقائق کی طرف راہنمائی کرنے والی سورت ہے۔ ایک ہے دجال یا دجال اکبر۔ وہ ایک شخص ہوگا۔ ایک ہے دجالی فتنہ' اس اعتبار سے بحیثیت مجموعی موجودہ مادہ پرستانہ مغربی تہذیب دجالی تہذیب ہے۔

سوال: عام طور پر جو آدمی کسی باقاعدہ دینی مدرسے سے فارغ التحصیل نہ ہو' لوگ اس کا درسِ قرآن سننے سے دیتا ہچکچاتے ہیں' اور اگر کوئی آدمی اپنی تھوڑی بہت محنت' تفاسیر کا مطالعہ کرکے یا علماء کا درس سن کر لوگوں کے سامنے درس قرآن بیان کرتا ہے تاکہ لوگوں کا تعلق قرآن کے ساتھ قائم رہے' تو کیا یہ درست ہے۔ (محمد الطاف)

جواب: دعوت و تبلیغ کی غرض سے درس قرآن دینے کے لیے اتنی عربی ضرور آنی چاہیے کہ انسان عبارت کو عربی زبان کے حوالے سمجھے اور گرائمر کے حساب سے اس کا تجزیہ کرسکے۔ وعظ کہنے' نصیحت کرنے کے لیے عالم ہونا ضروری نہیں ہے۔ عالم ہونے یا چودہ یا سولہ علوم کی جو شرط لگائی جاتی ہے' وہ فتویٰ دینے کے لیے ہے۔ کیا چیز حلال ہے' کیا حرام ہے۔ یہ شکل جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اس کام کے لیے مفتی وہی ہوگا جس نے تمام علوم پڑھے ہوں جس کی پورے قرآن مجید پر نگاہ ہو' احادیث کے ذخیرہ پر نگاہ ہو' فقہاء کی آراء معلوم ہوں۔ امام شافعیؒ' مالکؒ' یا امام ابوحنیفہؒ کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہے' تو کس وجہ سے ہے۔ فقط یہی شخص فتویٰ دے سکتا ہے۔

سوال: دین اسلام میں انفاق فی سبیل اللہ کے لیے فقط ترغیب ہے' جبر نہیں کیا گیا' لیکن محض ترغیب سے وہی آدمی انفاق کرسکتا ہے جو بہرحال ایمان اور تقویٰ کی کم از کم سطح پر فائز ہو۔ آج کے دور میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیا موجودہ حالات میں حکومت جبری اقدامات کے ذریعے محصول اکٹھا کرسکتی ہے؟ (سہیل قریشی)

جواب: اسلام نے انفاق فی سبیل اللہ کے علاوہ زکوٰۃ اور عشر کی شکل میں فرض بھی مقرر کیا ہے۔ زکوٰۃ ہی اگر صحیح معانی میں اسلام کے احکام کے مطابق نافذ کردی جائے' تو اس قدر Ravenue آئے گا کہ جو کسی اور Tax سے نہیں آسکتا۔ مثلاً ایک دوکان میں پانچ لاکھ کا مال پڑا ہے' پانچ لاکھ پر ڈھائی فیصد دے دو۔ اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ تم نے سال میں کمایا ہے یا گنوایا ہے۔ ہوسکتا ہے پچھلے سال دس لاکھ کا مال تھا' آج پانچ لاکھ کا ہو۔ جب تک وہ نصاب کی حد سے زیادہ ہے' تب تک زکوٰۃ دینا ہے۔

البتہ ایک ہیں اموال ظاہرہ اور دوسرے' اموال باطنہ۔ اموالِ ظاہرہ جیسے کسی کا غلہ ہے' بھیڑیں ہیں' بکریاں ہیں' اونٹ ہیں' یہ سب کے سامنے ہے۔ کوئی چھپا کر نہیں رکھ سکتا۔ اسی طریقہ سے دوکان کا مال ہے۔ دوکان یا گودام میں پڑا ہوا ہے۔ کوئی فیکٹری ہے' اس میں خام مال ہے۔ یہ اموال ظاہرہ ہیں۔ اموالِ ظاہرہ پر تو زکوٰۃ کا ایک ایک پیسہ حساب کرکے جبراً لیا جائے گا۔ اموالِ باطنہ مثلاً کسی نے گھر میں کوئی زیور رکھا ہے' کسی نے کچھ پیسے نقد اپنے پاس رکھ لیے ہیں۔ اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے لیکن وہ خود دے گا' لیکن حکومت جا کر زبردستی اس کے گھروں کی تلاشی نہیں لے گی۔ آپ کے تکیے پھاڑ پھاڑ کر نہیں دیکھے گی کہ اس کے اندر آپ نے روپے تو نہیں رکھے ہوئے ہیں۔ عہدِ فاروقیؓ میں حکومت نے اموالِ ظاہرہ سے حاصل ہونے والی زکوٰۃ کے ذریعے ویلفیئر کا ایسا نظام قائم کیا تھا کہ لوگوں کو ضرورت زکوٰۃ کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ زکوٰۃ لے کر پھرتے تھے اور کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوتا تھا۔

کالم ''تفہیم المسائل'' میں سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس meidia@tanzeem.org پر بھیجے جاسکتے ہیں۔

ماہ رمضان المبارک کے حوالے سے حلقہ لاہور کی سرگرمیاں

☆استقبالِ رمضان کے تحت لاہور وسطی میں تین پروگرام' سمن آباد میں ایک' لاہور چھاؤنی میں تین' لاہور شمالی نمبر 2 میں چھ جبکہ ماڈل ٹاؤن میں ایک پروگرام ہوا۔ آخر الذکر تقریب سے بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطاب کیا۔

☆حلقہ میں چھ مقامات پر نماز تراویح کے ساتھ مکمل دورہ ترجمہ قرآن ہوا' تین مقامات پر نماز تراویح کے بعد مکمل دورہ ترجمہ قرآن جبکہ بارہ مقامات پر نماز تراویح کے بعد خلاصہ مضامین قرآن/مختصر ترجمہ بیان کیا گیا۔ خواتین کے لیے بغیر تراویح کے مکمل دورہ ترجمہ قرآن کے پروگرام تین مقامات پر ہوئے۔

☆لاہور شمالی نمبر 1 کے تحت اجتماعی افطاری کے پروگرام میں تنظیم اسلامی کی دعوت پیش کی گئی۔ جناب عبدالرزاق روزانہ بعد نماز عصر صوفی سوپ انڈسٹریز کی مسجد میں مختصر درس دیتے رہے' جبکہ انہوں نے لوہا مارکیٹ مصری شاہ کی مسجد میں ختم قرآن کی تقریب سے بھی خطاب کیا۔ صوفی سوپ انڈسٹریز کے تعاون سے پمفلٹ بعنوان ''دو روزے'' 5000 کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔

☆لاہور وسطی کے تحت جناب امجد محمود نے اجتماعی افطاری کا پروگرام ترتیب دیا' جس میں مرکزی ناظم نشر و اشاعت جناب ایوب بیگ مرزا نے خطاب کیا۔ مسجد ابوبکر صدیقؓ' لوہاری گیٹ میں جناب عمران حمید نے 25 اور 29 رمضان کو تقاریر کیں۔ مزید برآں' انہوں نے جناب یاسر محمود اور جناب شکیل احمد کی رہائش گاہوں پر منعقدہ اجتماعی افطاری کے پروگراموں میں بھی خطاب کیا۔ اس ماہ کے دوران چار دعوتی کتب کے 170 سیٹ تقسیم کیے گئے۔

☆تنظیم اسلامی سمن آباد کے تحت جامع مسجد بنت کعبہ میں 14 رمضان کو جناب غازی محمد وقاص نے' 20 رمضان کو امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید نے جبکہ آخری عشرے کے دوران راقم نے آزاد کشمیر اور بالاکوٹ میں زلزلے کے حوالے سے خصوصی خطابات کیے۔ ختم قرآن کی محافل کے سلسلے میں جامع مسجد بنت کعبہ میں راقم نے' ملتان روڈ کی مسجد میں جناب چودھری رحمت اللہ بٹر اور جناب محمد اکرم خان نے' اچھرہ کی مسجد قطب میں جناب غازی محمد وقاص نے جبکہ رحمان پورہ کی مسجد میں جناب قاری غلام مرتضیٰ نے گفتگو کی۔

☆تنظیم اسلامی علامہ اقبال ٹاؤن کے تحت جناب اخلاق نے چوبرجی میں ایک اجتماعی افطاری جبکہ اعظم گارڈن کی ایک مسجد میں خطابات کیے۔ ختم قرآن کے حوالے سے جناب مشکور احمد شمسی کے گھر منعقدہ محفل سے جناب عبداللہ محمود نے' بلی بلاک سبزہ زار کی مسجد میں بھی جناب عبداللہ محمود نے جبکہ ایل بلاک سبزہ زار کی مسجد میں جناب عاصم نذیر بخاری اور جناب عمیر افضال نے گفتگو کی۔

☆لاہور شرقی کے تحت طوبیٰ گرلز کالج میں ختم قرآن کی تقریب سے جناب ڈاکٹر عارف رشید نے خطاب کیا۔

☆لاہور چھاؤنی کے تحت مسجد خدام القرآن' والٹن میں ختم قرآن کی محفل سے جناب فتح محمد قریشی نے جبکہ نشتر کالونی میں جناب محمد رمضان نے خطاب کیا۔

☆تنظیم اسلامی شاہدرہ کے تحت آمنہ شادی ہال میں ختم قرآن کی تقریب سے جناب عبدالرزاق نے خصوصی گفتگو کی۔

☆لاہور شمالی نمبر 2 کے تحت مرکز تنظیم' گڑھی شاہو میں ختم قرآن کی محفل سے بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خصوصی خطاب فرمایا۔

☆تنظیم اسلامی ماڈل ٹاؤن کے تحت قرآن اکیڈمی میں منعقدہ ختم قرآن کی تقریب سے بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطاب کیا۔

حلقہ لاہور نے چار کتابچوں پر مشتمل خصوصی دعوتی کتب کے 3000 سیٹ جبکہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دورہ ترجمہ قرآن پر مشتمل سی ڈیز بعنوان ''بیان القرآن'' کے 3170 سیٹ احباب میں تقسیم کیے۔

☆**منفرد اسرہ ساھیوال** کے نقیب جناب عبداللہ سلیم نے:

i) استقبال رمضان کے دو پروگراموں سے خطاب کیا۔

ii) اجتماعی افطاری کی چار تقاریب میں گفتگو کی' جن میں ایک جناب عبدالستار کی رہائش گاہ پر' دو روٹری کلب میں اور ایک جناب مرزا اقبال کے گھر منعقد ہوئی۔

iii) ادارہ المسلمات کے زیر اہتمام خواتین کے دو پروگراموں میں ہفتہ وار درس دیئے۔

iv) ختم قرآن کی محافل کے سلسلے میں حافظ محمد عامر' جناب احسن حفیظ' جناب میاں محمد یونس' چودھری ریاست علی اور جناب میاں لطیف کی رہائش گاہوں پر خطاب کئے۔ ان کے اپنے گھر میں منعقدہ تقریب میں ان کے بیٹے حافظ معاذ عبداللہ نے قرآن مجید سنایا' جس کے بعد جناب عبداللہ سلیم نے گفتگو کی۔ (مرتب: محمد یونس' معتمد حلقہ)

تنظیم اسلامی وہاڑی کے زیر اہتمام دورہ ترجمہ قرآن

اس سال یہ پروگرام قرآن اکیڈمی' فرید ٹاؤن' شیخ کالونی' وہاڑی میں منعقد ہوا۔ مدرس کے فرائض جناب نثار احمد شفیق نے انجام دیئے جو ہارون آباد سے خصوصی طور پر اس مقصد کے لیے تشریف لائے اور ایک ماہ وہاڑی ہی میں قیام کیا۔ پروگرام کی تشہیر کے لیے شہر کی نمایاں جگہوں پر چھ بڑے بڑے بینرز لگائے گئے تھے۔ ایک ہزار ہینڈ بل ذاتی رابطوں کے ذریعے تقسیم کیے گئے۔ یہ پروگرام ساڑھے سات بجے سے رات ایک بجے تک جاری رہتا تھا' جبکہ درمیان میں شرکاء کو چائے' بسکٹ پیش کیے جاتے تھے۔

تنظیم اسلامی وہاڑی کے امیر جناب راؤ محمد جمیل نے رفقاء کو انتظامات کے حوالے سے خصوصی ہدایات دی ہوئی تھیں۔ شرکاء کی اوسط حاضری 40 تک رہی' جن میں ڈاکٹر' صحافی' تاجر اور ملازم پیشہ حضرات شامل تھے۔ ان کا جذبہ دیدنی تھا۔ تنظیم اسلامی ہارون آباد کے رفیق حافظ بشیر احمد نے نماز تراویح بڑی ترتیل کے ساتھ پڑھائی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رمضان المبارک کی 27 ویں رات کو دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس موقع پر جو خطاب کیا گیا' شرکاء پر اس کا بڑا اثر ہوا اور انہوں نے اپنی آئندہ زندگی کو قرآنی تقاضوں کے مطابق استوار کرنے کا عہد کیا۔ پروگرام کے ذریعے وہاڑی شہر میں دعوت رجوع الی القرآن کا خصوصی طور پر تعارف ہوا۔

(رپورٹ: ظاہر نسیم' وہاڑی)

نہیں' جہاں سجدہ کرتے ہیں وہیں پر اپنا ناپاک جوتا بھی رکھ دیتے ہیں' اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ یہ کہہ کر اُن ''ذات شریف'' نے جوتا اٹھالیا۔ جوتے کے مالک محترم سمجھے کہ یہ مسجد کے کوئی مولوی صاحب ہوں گے۔ سامنے سے جوتا اٹھا کر قریب ہی کہیں رکھ دیا ہوگا۔ اب جو سلام پھیر کر دیکھتے ہیں تو نہ مولوی صاحب ہیں نہ ہی جوتا..... سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ ع اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر۔ جوتوں کے معاملہ میں اب آپ بھی ذرا ہوشیار رہیے گا!

اسکول کے زمانہ میں ہم نے اسکاؤٹنگ میں بھی حصہ لیا۔ کراچی کے اسٹریچن روڈ پر روز شام کو اس کے ہیڈ کوارٹر جاتے تھے۔ پریڈ اور شوٹنگ وغیرہ کی بھی ٹریننگ لی۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں ہمیں یہ چیزیں سکھائی جاتی تھیں۔ رائفل کلب میں بھی داخلہ لیا۔ کراچی میں نیا حاجی کیمپ جس جگہ ہے' وہاں رائفل کلب کا ہیڈ کوارٹر (چاند ماری) ہوتا تھا۔ اسی لیے PIDC ہاؤس کے قریب پل کو پہلے چاند ماری کا پل کہتے تھے۔ کلب میں تھوڑے سے فاصلے پر دو اونچی جگہیں تھیں۔ ایک جگہ لیٹ کر 303 (تھری ناٹ تھری) رائفل چلاتے تھے' دوسری طرف نشانے کے لیے بورڈ لگا ہوا تھا۔ ہم نے رائفل خوب چلائی اور الحمدللہ ہمارا نشانہ بہت ہی اچھا رہتا تھا۔ ہماری خوب واہ واہ ہوتی تھی گویا ع .....شور ہر سمت اٹھا' مار چلا' مار چلا..... وہ کیا ہی بھلے دن تھے..... اِس زمانہ میں اگر یہ عمل انجام دیتے تو ''دہشت گردی'' کے الزام میں دھر لیے جاتے۔

اب تو حال یہ ہے کہ وطن میں ہر طرف ''دہشت گردی'' ننگا ناچ ناچ رہی ہے۔ آج کے دور میں جہاں ہر چیز مہنگی ہوگئی ہے' سب سے سستی چیز انسان کی جان ہے۔ اب حکومت بھی ''مر جانے'' والوں اور ابھی ''نہ مرنے والوں'' کے لیے خصوصی ''بخشش'' کا اعلان کرتی ہے اور یہ گویا روٹین اور روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔

جا بجا بکھرے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے' خون میں نہلائے ہوئے

فی آدمی ایک لاکھ روپے!

اگر ابھی پوری طرح مرے نہیں تو زخموں کی قیمت فی آدمی پچاس ہزار روپے! کیا کہنے ہیں اس ''سخاوت'' کے! سبحان اللہ! میں سوچتا ہوں کہ کیا کل اس پر بھی انکم ٹیکس یا جی ایس ٹی نہ لگ جائے گا.....!!! اس دور میں ہم جیسے تیسے اپنی ''خودداری'' کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ تھانہ کچہری سے تو ویسے ہی ہم شروع سے ایک سڑک چھوڑ کر چلتے تھے' اب ''امیر شہر'' کی ''امارت'' اور ''عمارت'' دونوں ہی سے دور رہنے میں ''عافیت'' سمجھتے ہیں اس لیے کہ

جل رہا ہوں آگ میں سچائی کی
لگ گئی ہے کیسی بیماری مجھے

اور..... ہاں..... اب اس دور میں

وہ عاجزی کا بھی مطلب غلط ہی سمجھے گا
امیر شہر کو جھک کر سلام مت کرنا

(جاری ہے)

ندائے خلافت

خواتین نمبر

ان شاءاللہ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کے تعاون سے عنقریب ندائے خلافت خواتین نمبر شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ اس ضمن میں تمام رفیقات تنظیم اسلامی سے ایسے اہم دینی موضوعات پر لکھنے کی اپیل کی جاتی ہے جو خواتین سے متعلق ہوں۔ **مثلاً** ''ازروئے اسلام عورت کی مختلف حیثیتیں'' ''حیا کیا ہے؟'' ''خواتین کا صبر'' ''گھریلو اور خاندانی روابط'' وغیرہ وغیرہ۔ مضامین بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس بھیجے جاسکتے ہیں:

مدیر ندائے خلافت

36-K ماڈل ٹاؤن' لاہور (Publications@tanzeem.org)

فلک سیر (ٹورسٹ)

ریزورٹ ساگر ریسٹورنٹ

ملم جبہ' سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام وطعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کارپوریشن پاکستان کی چیئر لفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے' روشن اور ہوادار کمرے' نئے قالین' عمدہ فرنیچر' صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے' اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی کے پاکیزہ و دلفریب مظاہر سے قلب و روح کو شاد کام کرنے کا بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت

فلک سیر کارپوریشن'

جی ٹی روڈ' امانت کوٹ' مینگورہ سوات

فون دفتر: 0946-725056' ہوٹل: 0946-835295' فیکس: 0946-720031

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No.43

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

خدائی وارننگ

(بنتِ اسرار)

نہ گھر ہے میرا' نہ در ہے میرا ' نہ آشیاں نہ چمن ہے میرا
نہ میرے ماں باپ اور نہ بہنیں' نہ بھائی میرا نہ کنبہ میرا
نہ جانے اعضاء کہاں ہیں میرے' نہ تن ہے میرا نہ دھن ہے میرا
نہ عزتِ نفس ہی سلامت' نہ کوئی رشتہ بچا ہے میرا
یہ کیسی آفت مچی ہے یارب' یہ قابلِ رحم ہے نظارہ
مگر یہ ہے لمحۂ فکریہ کہ کیوں ہوا ہے یہ کل خسارہ!!
یہ خود بخود ہو رہا ہے سب کچھ یا کوئی ہستی ہے قاہرانہ
کہ اذنِ رب کے بغیر کوئی' نہ پتہ گرتا ہے نہ ہی دانہ
تو پھر زمیں کی پلیٹیں کیسے کھسک رہی ہیں' سمٹ رہی ہیں
ذرا حقیقت کی آنکھیں کھولو' نہ تم کبوتر بنو خدارا
جو کھولو قرآں تو دیکھو قوموں کو کیوں خدا نے ختم کیا تھا
کہیں سیاسی' کہیں معاشی' کہیں سماجی خرابیاں تھیں
یہ سب کی سب شرک کی ہیں شکلیں' یہ حرکتیں سب ہیں باغیانہ
سزا کہیں زلزلے کی صورت' کہیں یہ طوفانِ باد و باراں
کہیں خسف اور کہیں ہیں پتھر' کہیں چرخ سے ہے آگ برسی
ہیں آج ہم مسلموں میں ساری خرابیاں ہی سمٹ کے آئیں
تھی اِک سزا جو سقوطِ ڈھاکہ' ہے اِک سزا جو زمیں سے آئی
کبھی وہ باہم لڑاتا رہتا ہے اور کبھی خود سزا ہے دیتا
مگر یہ اک وارننگ ہے لوگو' زمیں کے اُس زلزلے سے پہلے
کہ جب ستارے' قمر نہ سورج نہ کچھ بھی باقی بچا رہے گا
نہ کوئی رشتہ نہ کوئی دولت' نہ کوئی ہم کو بچا سکے گا!!
اگرچہ رشتے تمام ہوں گے' مگر وہ ناآشنا رہیں گے
وہ ایسا بے درد ہے نظارہ' نہ کوئی فریاد سن سکے گا
ہاں ایک قادر جو اب یہاں ہے' وہاں بھی باقی سدا رہے گا
ہمیں اس انجام بد کی کلفت سے بس وہی اک بچا سکے گا
مگر مجھے شرم اُس سے آتی ہے' اُس کو کیا منہ دکھاؤں گی میں
کہ میرا دامن تو کفر و فسق و فجور سے ہی بھرا ہوا ہے
یہ ہے تباہی اصل تباہی' یہ ہے خسارہ اصل خسارہ
کہ مرنا چاہیں گے بھی اگر ہم' نہ مر سکیں گے' نہ جی سکیں گے
ہر اک عمل کے ہیں دو ہی پہلو' ہے ایک ظاہر اور ایک باطن
دُکھے دلوں پہ لگانا مرہم' ہے اِس زلزلے کا یہ ایک پہلو
مگر تم اپنے عمل سنوارو' یہ دوسرا ہے حقیقی پہلو
کیوں ایسی آفت ہے ہم پہ آئی' یہ ایک کڑوی سی ہے حقیقت
کیے ہیں روشن خیالیوں نے' ہمارے چودہ طبق جو روشن
ہے یہ خدا سے کھلی بغاوت' حدودِ رب سے ہے آگے بڑھنا
خباثتوں کو' نجس لبادے کو گویا تن پہ سجائے رکھنا
یہ بنتِ اسرار کی دعا ہے' خدایا! ہم سب کو دے ہدایت
ہو انفرادی یا اجتماعی' ہر اِک سطح پر تری اطاعت

بقیہ: اداریہ

6) امداد دینے والے بعض ممالک نے رازداری سے اور بعض نے کھلم کھلا امداد کے استعمال اور اس کے حسابات کے حوالہ سے شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے۔ ماضی کا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ شکوک بے بنیاد نہیں ہیں۔ حکومت کو اس حوالہ سے زبردست کارکردگی کا مظاہرہ کرنا ہوگا ورنہ رہی سہی ساکھ بھی تباہ ہو جائے گی۔

7) ایک اطلاع کے مطابق زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے لاہور میں ایک عالمی میوزیکل فیسٹول منعقد کیا جا رہا ہے جس میں دنیا بھر سے گلوکار اور فنکار اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کریں گے۔ ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ ہم ایسے مکروہ اور غلیظ پروگراموں کی مذمت کریں۔ ایسے پروگراموں کے تجویز کنندگان کے لئے ہم ہدایت کی دعا ہی کر سکتے ہیں اور اپنے لیے اللہ رب العزت سے دست بدعا ہیں کہ ہماری مذمت زبان اور نوکِ قلم تک محدود نہ رہے بلکہ وہ ہمیں اتنی طاقت بخش دے کہ ہم بے حیائی کے کاموں کو قوت سے روک سکیں۔ خدا جانے ان نادانوں کو یہ نکتہ کیوں سمجھ نہیں آتا کہ انسان روح اور حیوانی جسم کا مرکب ہے۔ آپ روح کا خون کر کے جسم کو توانائی کیسے بخش سکتے ہیں۔ روح جب قفسِ عنصری سے پرواز کرتی ہے تو جسم مٹی کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ تم اس جسم کو روح کا مقبرہ بنانے پر کیوں تلے ہوئے ہو۔ صد حیف ہے تم پر اور تمہاری سوچ پر۔ کیا تم اس تنبیہہ سے کوئی سبق حاصل نہیں کرو گے؟ حکومت کے سر پر روشن خیالی کا بھوت اگر اب بھی سوار ہے تو وہ جان لے کہ وہ اپنے ساتھ پوری قوم کو کسی بڑے عذاب کا مستحق بنا رہی ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر توبہ کی جائے یعنی افراد' معاشرہ اور ریاست دینِ حق کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائیں پھر کسی ڈونرز کانفرنس کی ضرورت نہیں رہے گی۔

تنظیم اسلامی کا پیغام

نظامِ خلافت کا قیام